

صلہ رحمی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے تعلقات ملا کر رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں مگر وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ حوصلہ اور برداشت سے پیش آتا ہوں اور وہ مجھ سے جاہلانہ رویہ اور بتاؤ رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَانَتَمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللَّهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ»

”اگر واقعی بات اسی طرح ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کے منہ میں راکھ ڈال رہے ہو اور جب تک تم اسی طرز عمل کو اپناتے رہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف ہر وقت ایک معاون اور مددگار تمہارے ساتھ رہے گا۔“

قتل مسلم

جس مومن کا وجود اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اُس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے، اُسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے، اس سے بڑھ کر شریعت الہی کی کیا توہین ہو سکتی ہے؟ اور اُن سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کر سکتے ہیں، کون سا گناہ ہے، جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہو سکتا ہے؟ دنیا کی کون سی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمہ لا الہ الا اللہ سے بڑھ کر اللہ کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کون سی محبوبیت ہے جو اس کلمہ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں مل جاتی؟ پس جس بد بخت کا احساس ایمانی یہاں تک مسخ ہو جائے کہ باوجود دعویٰ اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے، وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا بلکہ اللہ کے کلمہ توحید کو ذلیل و خوار کرتا، اور اس کی عزت و جلال کو بٹ لگانا چاہتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اُن کو آنحضرت ﷺ نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دے کر بھیجا تھا۔ لڑائی میں اُسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی ایک انصاری حملہ آور ہوا۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اُس کے سر پر چمکی تو وہ پکاراٹھا ”لا الہ الا اللہ“ میں نے کچھ پروانہ کی اور قتل کر ڈالا۔ لیکن کلمہ کی صدا سن کر انصاری نے تلوار روک لی۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوئے اور فرمایا: ”أَقْسَلْتُهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟“ تو نے اُسے قتل کر دیا، باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا؟ میں نے عرض کیا ”إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا“ وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کے لیے کہہ دیا تھا، فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ”فَمَا زَالَ يَكْرِرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ“ لیکن آنحضرت ﷺ برابر یہی جملہ دہراتے رہے۔ ”تو نے قتل کر ڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا“ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا خوف اور ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھ کر مجھے اس قدر رندامت ہوئی کہ دل نے کہا، کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ ایک روایت میں ہے ”أَفْكَلا شَفَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ“ [مسلم: ۱۵۸/۹۶] تو نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے واقعی دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُس کا احترام واجب ہو گیا۔ خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو۔ دل کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

[بہ شکریہ ہفت روزہ ”پیغام“ کلکتہ، ۱۱ نومبر ۱۹۲۱ء]

فہرست

1	صلہ رحمی	جواہر پارے
2	قتل مسلم	کلمۂ طیبہ
5	یا الہی یہ ماجرا کیا ہے؟	اداریہ
7	تفسیر باللغة..... ②	علوم تفسیر
13	اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے.....	عقائد و ایمانیات
21	مدد صرف اللہ مشکل کشا سے	عقائد و ایمانیات
26	صیہونی تنظیم کا چیلنج اور مسلم راہنماؤں.....	نقطۂ نظر
30	پھر بہار آئی	افکار معاصرین
32	عذابِ قبر	تبصرۂ کتب
33		اطلاعات و اعلانات
35	نعتیہ رباعیات	شعر و ادب

(عبدالعزیز خالد)

قطع رحمی کی سزا

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾ [محمد: ۲۲، ۲۳]

”یہ بات عین متوقع ہے کہ اگر تم کبھی کسی کے والی اور سرپرست بن جاؤ تو زمین میں فساد کرنے لگو اور رشتہ داروں سے تعلق توڑ دو یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی تو انہیں بہرا اور آنکھوں سے اندھا کر دیا۔“

صلہ رحمی کی برکات

مَنْ سَرَّهٖ أَنْ يُسَاطَلَ فِي رِزْقِهِ وَيُسَاطَلَ فِي أَمْرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ -

[مسلم: ۲۵۵۶ و ۲۱]

”جس کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں تاخیر کی جائے تو وہ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔“

2 یکم 8 مارچ 2007ء..... (256)..... 12 صفر المظفر 1427ھ

حضرت ابوبکر الصديق رضى الله عنه سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جس کے ذریعے میں اللہ تعالیٰ سے نماز میں دعا کروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہو!

«اللَّهُمَّ! إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاعْفُرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ» [مسلم: ۲۷۰۵ / ۴۸]

”اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو تیرے بغیر کوئی بھی معاف نہیں کرتا تو مجھے اپنی طرف سے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

یا الہی یہ ماجرا کیا ہے؟

حافظ احمد شاکر

اداریہ

بھارت بلکہ بھارتی حکمرانوں سے محبت کا پہلا اہل سابق وزیر اعظم نواز شریف کو آیا تھا جس کا عنوان مسئلہ کشمیر کا حل رکھا گیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد اس کی وجہ کچھ اور ہی سامنے آئی اور پھر سمجھ بھی آ گئی تھی کہ جناب میاں صاحب چوں کہ تاجر خاندان سے ہیں اس لیے یہ اپنے خاندان کے تجارتی مفادات کے لیے غالباً بھارتی حکومت سے محبت کی پیٹنگیں بڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ اخبارات کے ذریعے فضا میں اڑنے والی خبروں کے مطابق اس خاندان نے چینی، سریا اور سیمنٹ وغیرہ کی بھارت سے تجارت بھی کی جس کے فائدے یا نقصان کو وہی جانتے ہوں گے تاہم اس کے بعد نہ جانے کیوں وطن عزیز میں سریا، سیمنٹ وغیرہ کی قیمتیں بڑھنے لگیں بلکہ اب تک بڑھ رہی ہیں۔ بنیا حکومت نے اپنے ٹارگٹ حریف یعنی پاکستان کو اپنی تجارت میں کامیابی کی کلید جانتے ہوئے اس کی طرف دامن تجارت اس طرح بڑھایا کہ سریا، سیمنٹ، چینی وغیرہ تو انہی دنوں آنے شروع ہو گئے تھے، اور اب تو پیاز، ادراک، آلو، گوشت سب کچھ دھیرے دھیرے بھارت ہی سے آنا شروع ہو گیا ہے اور بھارتیوں نے تو ”اچھے پڑوسی“ ہونے کے ناطے سے چند سال قبل پاکستان میں گندم کی قیمت فروخت سے بہت کم قیمت پر گندم بھجوانے کی پیش کش بھی کی تھی جب کہ ہندو بنیا پاکستانی چاول کو بھارتی پیک کے نام سے دنیا میں پھیلا کر اپنی مارکیٹ وسیع کر رہا ہے اور بھارتی چاول پر پاکستانی برانڈ کا لیبل لگا کر پاکستان کو رسوا کر رہا ہے۔ خیر بات چلی تھی بھارتی محبت کے اہل کی توجہ خلائی حکومت آئی تو اس نے مطعون حکومت کے اس دوستی ایشو کو آگے بڑھایا اور مسئلہ کشمیر کے حل کی تلاش کے عنوان پر جناب صدر بھی اپنی جنم بھومی کی یا تر کرنے دہلی اور کشمیر پر مذاکرات کے لیے آگے گئے لیکن ان کی عسکری تربیت انا بننے کے آگے جھک نہ سکی اور یہ واپس آ گئے۔ نواز حکومت کے دور میں بھارتی منصوبہ ساز ہمارے ذاتی اور قومی مفادات کی ترجیح کا موازنہ کر چکے تھے۔ ادھر ۹/۱۱ کے سانحے سے طاغوت ہمارے حوصلے اور مدافعت کا جائزہ بھی لے چکا تھا اور طاغوت یہ جان گیا تھا کہ پاکستان پر دباؤ کے لیے بھارت سے اچھا حلیف کوئی نہیں اس لیے اس نے مراعات کا بہاؤ بھارت کی طرف کرنا اور دھمکیوں کا دباؤ پاکستان پر ڈالنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ہمارے حکم ران دوست کے دوست کو دوست بنانے کے جنون میں اس قدر مبہوت ہو گئے کہ وہ اپنا سب کچھ ہی بھول گئے۔ بھارت نے جب سرحد پر باڑ لگا دی تو یہ چوں کہ چنانچہ کرتے رہے، کشمیری مسلمانوں کو متنبہ کرتا رہا ہم ”اب کے مار کے دیکھ“ کہتے رہے، وہ ہماری زمینوں کو خشک سالی کے آشوب میں مبتلا کرنے کے لیے مختلف ڈیم بناتا رہا اور ہم عالمی عدالتوں کے پیچھے بھاگتے رہے۔ اس نے احمد آباد کے ٹرین سانحے کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا ہم اس کی وضاحتیں کرتے رہے۔ دراندازی کا وہ الزام جو وہ سالہا سال سے لگا رہا تھا ہم نے اعلان اسلام آباد میں اس کے تذکرے کی تحریری وعدہ دے کر اس الزام کو تسلیم کر لیا۔ مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے قانونی خوف کا جو ہالہ بھارت کے سر پر تھا فرینڈلی ہم نے وہ بھی اتارنا شروع کر دیا یا برائے نام رہنے دیا ہے۔ بسنت جوتارنخ کے اعتبار سے ایک گستاخ رسول ”حقیقت رائے“ کی موت سے منسوب یادگار ہے اس کو منانے میں بڑے اہتمام اور ڈنکے کی چوٹ پر کئی سال سے ہم ہندوؤں کی ہم سری کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جیرانی ہے کہ حکومت کے حواس ثلاثہ ہر دہشت گردی کی کڑیاں تو انتہا پسندوں سے جا ملاتے ہیں لیکن اس سانحہ عظمیٰ کا کھرا وہ احمد آباد

کے اس سانحہ تک کیوں نہ لے گئی جس کا بھارت نے سارا ملہ بڑی ڈھٹائی سے مسلمانوں پر ہی نہیں پاکستان پر ڈال دیا تھا؟ جب کہ یہ بات اب اخبارات میں بھی شائع ہو گئی۔

جملہ روشن خیال بھارت یا ترا کے لیے بے تاب بلکہ پابہ رکاب رہتے ہیں کیوں کہ شاید وہاں خیال کی روشنی ذرا ”کھلی ڈھلی“ ہوتی ہوگی۔ اب سمجھوتہ ایکسپریس میں جو قیامت برپا ہوئی الامان والحفیظ۔ ہمارے حکومتی ارباب بست و کشاد کے حواسِ خمسہ تو بادِ بہاراں کی اٹکھیلیوں میں ڈوبے صرف بسنت منانے میں مصروف تھے باقی مقتدر بھارتی محبت کی ڈور سنبھالے اسے بوکاٹا سے محفوظ کرنے میں کوشاں رہے اور اتنے بڑے سانحے کے باوجود ان کے دل کی مچلاہٹ دیکھیے کہ وہ بھارت سے دوستی کی خواہش کی مالا بچتے رہے، حتیٰ کہ ہمارے وزیر خارجہ کہ جن کو بھارت کا دورہ فی الفور منسوخ کر دینا چاہیے تھا وہ دلی درشن ملتوی بھی نہ کر سکے بلکہ ان کو کسی تیسرے ملک کی شرارت کے امکان کی راگنی بھی الاپنی پڑ گئی۔ اس موضوع پر نوائے وقت کے معروف اور محترم کالم نگار جناب عرفان صدیقی کے دل کے پھپھو لے ملاحظہ فرمائیے:

”ذرا تصور کیجیے! اگر اس نوع کا حادثہ پاکستان میں پیش آیا ہوتا اور اگر اس میں ساٹھ بھارتی باشندے (چاہے وہ مسلمان ہی ہوتے) جاں بحق ہو گئے ہوتے تو بھارت کا ردِ عمل کیا ہوتا؟ کیا وہ ہمیں تنگی کا ناچ نہ نچو دیتا؟ کیا وہ ساری دنیا میں ہماری ”دہشت گردی“ کے چرچوں سے ایک طوفان نہ اٹھا دیتا؟ کیا وہ ہماری پیٹھ رنگارنگ الزامات کے تازیانوں سے لہو لہان نہ کر دیتا؟ کیا اس کے نعروں کا ارتعاش اقوامِ متحدہ کے درودیوار کو ہلا کے نہ رکھ دیتا؟ کیا اُس کی لاکاروں سے امریکا کا قصر سفید بھی نہ گونجنے لگتا؟ کیا وہ ہمارے مدارس اور ہماری دینی و جہادی تنظیموں کو نیزے کی نوک پہ نہ رکھ لیتا؟ کیا مین موہن سنگھ سمیت بھارتی وزراء ہمارے سینے چھلنی نہ کر دیتے؟ کیا فی الفور ٹرین ریلے منقطع کرنے کا اعلان نہ آ جاتا؟ کیا اُن کا وزیر خارجہ اپنا طے شدہ دورہ پاکستان منسوخ نہ کر دیتا؟ اور کیا ہم مجرم کی طرح کٹہرے میں کھڑے کپکپا نہ رہے ہوتے؟ کیا ہمارے جری اور تاریخ ساز رہنما صفائیاں نہ پیش کر رہے ہوتے؟ کیا ہماری طرف سے باضابطہ معافیاں اور معذرتیں پیش نہ کی جا رہی ہوتیں؟ کیا ساری دنیا کے سامنے جوابدہی کے تصور سے ہم پہ رعب طاری نہ ہو جاتا؟ کیا ہم خود ہی کا عدم لشکر طیبہ اور جیش محمد کے لواحقین کی تلاش میں نہ جت جاتے؟ کیا ہم ”اقراری مجرم“ کی طرح اپنے ہی مدارس کے خلاف آپریشن شروع نہ کر دیتے؟ کیا ہم خود ہی بھارتی پولیس اور تفتیش کاروں کو یہاں آنے کی دعوت نہ دے ڈالتے؟

پاکستانی قوم حیرت زدہ ہے کہ حکومت پاکستان کی طرف سے شدید ردِ عمل کیوں سامنے نہیں آیا؟ بھارت کی طرف سے سیکورٹی انتظامات میں شدید نوعیت کی مجرمانہ غفلت اور ساٹھ سے زائد پاکستانیوں کی شہادت پر ہم نے کیوں احتجاج نہیں کیا؟ واضح طور پر ہندو انتہا پسندوں کی کارروائی کے باوجود ہم دفاعی پوزیشن میں کیوں ہیں؟ وزیر خارجہ کا دورہ بھارت کیوں کچھ دنوں کے لیے ملتوی نہیں کر دیا گیا؟ قصوری صاحب نے نئی دہلی میں کھڑے ہو کر بھارت کو بریت کا سرٹیفکیٹ دیتے ہوئے کیوں کہا کہ یہ کسی تیسرے ملک کی کارروائی بھی ہو سکتی ہے؟“ [نوائے وقت مؤرخہ ۲۵ فروری ۲۰۰۷ء]

ممکن ہے ہمارے روشن خیال اور باذوق حکمران موسمِ بہار کے نغمے

آئی بہار ہے، جیا بے قرار ہے، آ جا مورے بالما تیرا انتظار ہے۔

کی مدھرتانوں میں مست ہوں۔ جب کہ بھارتی سنگدل محبوبِ ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ ہیں بے زار یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

والا معاملہ ہے۔

تفسیر بالغة

میں لفظ کے مختلف معانی میں سے ایک معنی کی تعیین وترجیح کے اصول

حافظ محمد شہباز حسن (لیکچرر: شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی)

اسم تفضیل کا استعمال

اس تفضیل کا اصل استعمال تو یہ ہے: دو چیزیں ایک ہی وصف میں مشترک ہوں مگر ایک میں وہ وصف زیادہ نمایاں ہوتا ہے جب یہ افضلیت مقصود نہ ہو تو محض خبر ہوتی ہے اور صیغہ اَفْعَلُ کا حکم نہیں ہوتا۔ زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قد یجی مجردا عن معنی التفضیل -

[البرہان: ۱۷۱/۴]

اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل آیات کریمہ ہیں:

(۱) ﴿أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا﴾ [الفرقان: ۲۴]

”اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقامِ استراحت بھی اچھا ہوگا۔“

(ب) ﴿أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [حم السجدة: ۴۰]

”بھلا وہ شخص جو دوزخ میں ڈالا جائے کیا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے۔“

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ [النجم: ۳۲]

”وہ تم کو خوب جانتا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔“

اس آیت کریمہ میں اَعْلَمُ (اسم تفضیل) عَالِمٌ بِكُمْ (تمہیں جاننے والا) کے معنی میں ہے اس لیے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی شریک نہیں۔ یہاں اسم تفضیل تاویلاً اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کبھی صفت مشبہ کے معنی میں آتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾

[الروم: ۲۷]

”اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اسے بہت آسان ہے۔“

اُھون کا لفظ ھین (بہت آسان) کے معنی میں ہے کیوں کہ فیصل شدہ معاملات کی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت میں کوئی تفاوت نہیں۔ [دیکھیے البرہان: ۱۷۱/۴]

یعنی یہ نہیں اللہ تعالیٰ کسی معاملے میں زیادہ قدرت رکھتا ہو اور کسی میں کم۔ ایک مثال یہاں حدیث مبارکہ سے دی جا رہی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نحن أحق بالشك من إبراهيم إذ قال: رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لَّيْسَ مِنِّي قَلْبِي» [صحیح بخاری، کتاب أحادیث

الأنبياء: ۶۰، باب: ۱۱، قول اللہ عزوجل ﴿وَلَبِئْهُمْ

عَنْ صَنِيفِ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ ﴿[الحجر: ٥١: ٥٢]﴾
إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى ﴿[البقرة: ٢٦٠]

ح: ٣٣٧٢، صحيح مسلم، ح: ٢٣٨]

”ہم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے مقابلے میں شک کرنے کے زیادہ مستحق ہیں جب کہ انھوں نے کہا تھا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم ایمان نہیں لائے۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، لیکن یہ صرف اس لیے کہ میرے دل کو اور زیادہ اطمینان ہو جائے۔“

اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک قول یوں نقل کرتے ہیں:

”مَعْنَاهُ هَذَا الَّذِي تَرَوْنَ أَنَّهُ شَكٌّ أَنَّا أَوَّلَىٰ بِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِشَكٍّ إِنَّمَا هُوَ طَلَبٌ لِمَزِيدِ الْبَيَانِ وَحَكِي بَعْضُ عُلَمَاءِ الْعَرَبِيَّةِ أَنَّ أَفْعَلَ رُبَّمَا جَاءَتْ لِنَفْيِ الْمَعْنَى عَنِ الشَّيْئَيْنِ نَحْوَ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تَبَعٍ﴾ [الدخان: ٣٧] أَيْ لَا خَيْرَ فِي الْفَرِيقَيْنِ - وَنَحْوَ قَوْلِ الْقَائِلِ: الشَّيْطَانُ خَيْرٌ مِنْ فُلَانٍ أَيْ لَا خَيْرَ فِيهِمَا فَعَلَىٰ هَذَا فَمَعْنَى قَوْلِهِ: نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ: لَا شَكَّ عِنْدَنَا جَمِيعًا -“

[فتح الباری: ٤١٢/٦]

”اس کا مطلب یہ ہے جس کو تم شک سمجھتے ہو میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کیوں کہ وہ شک نہیں ہے یہ تو زیادہ وضاحت کی طلب ہے۔ بعض اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ أَفْعَلَ (اسم تفضیل) بسا اوقات دونوں چیزوں میں معنی کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

کیا وہ (کفار) بہتر ہیں یا قوم تبع۔ یعنی فریقین میں کوئی خیر نہیں اور جیسے یہ قول ہے: شیطان فلاں آدمی سے بہتر ہے یعنی دونوں میں کوئی بھلائی نہیں۔ اسی طرح ارشاد نبوی نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ کا مطلب ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی شک نہیں کر رہا۔

قذف کی بحث میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے کہے: أَنْتَ أَزْنَىٰ مِنْ فُلَانٍ ”تو فلاں سے زیادہ زانی ہے“ یا یوں کہے کہ أَنْتَ أَزْنَىٰ النَّاسِ ”سب لوگوں سے زیادہ زنا کار“ ہے تو کیا ایسا شخص پہلے آدمی پر قذف کا مرتکب ہو گا یا دوسرے کے لیے بھی قاذف شمار ہو گا۔ اس سوال کے جواب کے دو پہلو ابن قدامہ نے بیان کیے ہیں۔ دوسرا یہ ہے:

يَكُونُ قَازِفًا لِلْمُخَاطَبِ خَاصَّةً لِأَنَّ لَفْظَةَ أَفْعَلَ قَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلْمُنْفَرِدِ بِالْفِعْلِ كَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿أَقَمْنِ يَهْدَىٰ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يَتَّبِعَ أَمَّنْ لَا يَهْدَىٰ إِلَّا أَنْ يَهْدَىٰ﴾ [يونس: ٣٥] وقال تعالى: ﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ﴾ [الانعام: ٨١] وقال لوط: ﴿بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ﴾ [هود: ٧٨] أَيْ مِنْ أَذْبَارِ الرِّجَالِ وَلَا طَهَارَةَ فِيهِمْ - [موفق الدين ابو محمد عبد الله بن احمد بن محمود بن قدامة: المغنى: ٢١٦/١٠، ط: ١٤٠٣ھ/١٩٨٣ء، دار الكتاب العربى، بيروت- لبنان]

”وہ صرف مخاطب کے لیے قاذف ہو گا کیوں کہ فعل (اسم تفضیل) کبھی اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو فعل میں منفرد ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بھلا جو حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ کہ جب تک کوئی اسے راستہ نہ بتائے راستہ نہ پاسکے اور اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن کا مستحق ہے۔ اور لوط علیہ السلام نے کہا تھا: یہ جو میری بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاک ہیں۔ یعنی مردوں کی پیٹھوں کی بہ نسبت پاک ہیں، ان مردوں میں تو کسی قسم کی کوئی طہارت نہیں۔“

لفظ کے کئی معانی میں سے معنی کا انتخاب اور علم الصرف کی معرفت

عربی زبان میں علم الاشتقاق موجود ہے۔ اس کی مدد سے ایک لفظ سے کئی لفظ معرض وجود میں آ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک ہی مادہ (Root) سے کئی ایسے الفاظ بن جاتے ہیں جو متضاد بھی ہوتے ہیں، یا پھر الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں ان کے حروف اصلی مختلف ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں کلمات کے اشتقاق کی بنیاد اور اس کی تصریف کی کیفیت کو جاننا صحیح لغوی تفسیر کے لیے ضروری ہے۔ صاحب برہان لکھتے ہیں:

”وفائدة التصريف حصول المعاني المختلفة المتشعبة عن معنى واحد فالعلم به اهم من معرفة النحو في تعرف اللغة لأن التصريف نظر في ذات الكلمة والنحو نظر في عوارضها وهو من علوم التي يحتاج إليها المفسر۔“

[البرهان: ۲۹۷/۱]

”تصریف کا فائدہ یہ ہے کہ ایک لفظ سے کئی معانی حاصل ہوتے ہیں، لغت کی معرفت کے لیے ”صرف“ کا علم ”نحو“ سے بھی اہم ہے کیوں کہ ”صرف“ لفظ سے بحث کرتی ہے جب کہ ”نحو“ کلمے کے سیاق و سباق کے مطابق اس کی پوزیشن سے بحث کرتی ہے۔ ”صرف“ کا جاننا مفسر کے لیے ضروری ہے۔“

متفرق معانی کی ایک مثال حرف اصلی قط سے بننے والے

الفاظ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَمَّا الْقُسُطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ [الجن: ۱۵]

”اور ظالم دوزخ کا ایندھن بنے۔“

مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَأَقْسَطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [الحجرات: ۹]

”اور عدل کرو اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔“

میں قسط کا معنی عدل ہے۔ [البرهان: ۲۹۷/۱]

اگر ایک لفظ کے کئی معانی ہوں تو سیاق کلام کو دیکھ کر معنی متعین کیا جائے۔ حافظ ابن کثیر اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

ایک ایک لفظ کئی معنی میں آتا ہے۔ جیسے لفظ اُمّة کہ اس کے ایک معنی ہیں: دین، جیسے قرآن میں ہے: ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ﴾ [الزخرف: ۲۳] ”ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔“

دوسرے معنی ہیں: اللہ کا اطاعت گزار بندہ، جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ [النحل: ۱۲۰] ”یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں: جماعت، جیسے فرمایا: ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً﴾ [القصص: ۲۳] ”یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا۔ اور جگہ ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ [النحل: ۳۶] ”یعنی ہم نے ہر جماعت میں کوئی رسول یقیناً بھیجا۔“

چوتھے معنی ہیں: مدت اور زمانہ، فرمان ہے: ﴿وَأَذْكُرَ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾ [یوسف: ۱۲] ”یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔“

لفظ امت وغیرہ جو کئی معنی میں آتے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی جگہ سب کے سب مراد نہیں ہوتے۔

[تفسیر ابن کثیر: ۷۸/۱]

اسی طرح آیت کریمہ ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمامِهِمْ﴾

8۵۲ مارچ 2007ء..... (261)..... 12 صفر 1428ھ

[الاسراء: ۷۱] ”جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے“ کی تفسیر میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام اُمّ (ماں) کی جمع ہے اور یہ کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے باپوں کے نام سے نہیں بلکہ ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا۔ زنجیری رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ علم الصرف سے جہالت کی وجہ سے ہے کیوں کہ ام کی جمع امام نہیں آتی۔ [الاتقان: ۱۸۱/۲]

یہ بات تو وہ کر سکتا ہے جو لفظ کی بناوٹ نہ جانتا ہو اور نہ لغت عرب سے واقف ہو۔ [البرهان: ۱/۲۹۹]

حالاں کہ ام کی جمع امہات معروف ہے۔ جس سے ادنیٰ علم رکھنے والا شخص بھی واقف ہے۔

الدکتور رمزی نعام اپنے تیسرے مقالے ”الاتجاه المنحرف فی التفسیر لبعض من یجهلون قواعد العربية“ میں زنجیری کے اس قول کی تائید میں لکھتے ہیں:

والواقع ان الزمخشري على حق حينما وصف هذا القول بأنه بدع التفاسير لأنه غلط بين، دفع إليه جهل قائله بالتصريف فان أما لا يجمع على إمام وإنما يجمع على أمهات - [ڈاکٹر رمزی نعام: بدع التفاسير في الماضي والحاضر، ط: ۱۹۷۱ء / ۱۳۹۰ھ۔ مؤسسة الانوار للنشر والتوزيع، رياض - سعودی عرب]

”حقیقت یہی ہے کہ زنجیری نے اس قول کو بدع التفاسیر کہنے میں حق بجانب ہیں کیوں کہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔ کہنے والے نے صرف سے ناواقفیت کی وجہ سے ایسی بات کہی ہے۔ کیوں کہ ام کی جمع امام نہیں بلکہ امہات آتی ہے۔“

اس سلسلے کی ایک مثال وہ ہے جو ابن قتیبہ نے بعض معزّله

سے نقل کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ﴾ [البقرة: ۲۵۵]

”اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔“

اور انھوں نے کرسی سے مراد علم لیا ہے۔ اس پر انھوں نے ایک شاعر کے غیر معروف اس شعر سے استشہاد بھی کیا ہے:

ولا يكرسىء علم الله مخلوق -

جس کا معنی ان کے نزدیک یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو کوئی مخلوق نہیں جانتی۔ حالاں کہ الکرسی غیر مہوز ہے یعنی اس میں ہمزہ نہیں جب کہ یکرسی مہوز (مہوز اللام) ہے۔ [امام ابن قتیبہ الدینوری: تأویل مختلف الحديث، ص: ۴۶، ط: دار

الكتاب العربي - بیروت]

اسی طرح معزّله نے اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ﴾

[الاعراف: ۱۲۱]

میں ”ذَرَأْنَا“ کا معنی ”أَلْقَيْنَا“ ”ہم نے ڈال دیا“ کیا ہے۔ انھوں نے یہ معنی عربوں کے قول ذَرْتُهُ الرِّيحُ ”اس کو ہوانے ڈال دیا“ سے لیا ہے۔ لیکن ذَرَأْنَا کا لفظ ذَرْتُهُ الرِّيحُ سے نہیں ہے۔ کیوں کہ ذَرَأْنَا مہوز ہے اور ذَرْتُهُ الرِّيحُ تَدْرُؤُهُ غیر مہوز ہے۔ ذَرَأْنَا کو ذَرْتُهُ الدَّابَّةُ عَنْ ظَهْرِهَا ”جانور نے اس کو اپنی پشت سے گرا دیا“ بھی نہیں لیا جاسکتا کیوں کہ وہ ذَرَأْتُ فَعَلْتُ کے وزن پر ہمزہ کے ساتھ ہے۔ جب کہ یہ أَذْرَيْتُ أَفْعَلْتُ کے وزن پر بغیر

ہمزہ کے ہے۔ [تأویل مختلف الحديث، ص: ۴۷]

معزّله نے ذَرَأْنَا کا معنی أَلْقَى ”ڈال دیا“ کیوں کیا؟ ڈاکٹر رمزی نعام لکھتے ہیں:

إِنَّمَا هُوَ مَذْهَبُهُمْ فِي أَنَّ اللَّهَ لَا يَخْلُقُ الْهَدَايَةَ وَالضَّلَالَ وَلِإِنَّهُ لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا لِلنَّارِ وَخَلْقًا لِلْجَنَّةِ -

”ان کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت اور گمراہی کو پیدا نہیں کرتا۔ اس نے دوزخ کی مخلوق پیدا کی ہے اور نہ جنت کے لیے۔“ [بدع التفاسیر فی الماضي والحاضر، ص: ۴۸]

اسی طرح معتزلہ نے قرآنی آیت ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ [النساء: ۱۲۵] میں خلیل کا معنی ”اللہ کی رحمت کا فقیر و محتاج“ کیا ہے۔ خلیل کا لفظ انھوں نے السخلة خ کے فتح ساتھ قرار دیا ہے۔ کیوں کہ ان کو اس بات سے وحشت ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کو محتاج قرار دے کر ان کی کون سی فضیلت نکلتی ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اسی طرح خلیل اللہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں۔ [تأویل مختلف الحديث، ص: ۴۸۔ دیگر مثالوں کے لیے دیکھیے، ص: ۴۷، ۴۸]

لغوی اعتبار سے لفظ ”السخلة“ کو خلة (خ کے زبر کے ساتھ) سے لیا جاسکتا ہے کیوں کہ الخلة کا معنی حاجت اور محتاجی بھی ہوتا ہے اور الخلة (خ پر پیش) سے بھی کہ جس کا معنی دوستی اور محبت و مودت ہوتا ہے۔ [محمد بن يعقوب الفيروز آبادی: القاموس المحيط، ماده خلل: ۳/ ۳۷۰، ط: ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔ دار الفكر، بیروت]

ان دونوں معانی پر تبصرہ کرتے ہوئے الدكتور السيد احمد عبدالغفار لکھتے ہیں:

وَيَسُوْقُ كُلَّ فَرِيْقٍ دَلِيْلَةً وَالْوَاضِحُ اَنَّهَا اَدَلَّةٌ صَحِيْحَةٌ مِنَ النَّاحِيَةِ اللُّغَوِيَّةِ فَالْكَلِمَةُ تُطْلَقُ عَلَى الْفَقِيْرِ وَعَلَى الصَّدِيْقِ فَمَادَتْهَا اللُّغَوِيَّةُ وَاحِدَةً وَلِيْن كَانَ هَذَا شَأْنُ الْكَلِمَاتِ الْعَرَبِيَّةِ فِي حَمْلِهَا أَكْثَرَ مِنْ دَلَالَةٍ إِلَّا أَنَّ سِيَاقَ السُّلُوبِ يُجَدِّدُ اِدْلَالَهَ الْمَطْلُوْبَةِ - [ذاکتر سید احمد عبدالغفار: ظاہرہ

التأویل وصلتها باللغة، ص: ۱۳۲، ط: ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء، دار الرشید للنشر والتوزيع، ریاض]

”ہر فریق اپنی دلیل پیش کرتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ یہ دلائل لغوی اعتبار سے صحیح ہیں۔ لفظ (خلیل) کا اطلاق محتاج و فقیر پر بھی ہوتا ہے اور دوست پر بھی۔ لفظ کے حروف اصلی ایک ہیں۔ عربی الفاظ کی اگرچہ یہی حالت ہوتی ہے کہ ان کو ایک سے زیادہ دلالات پر محمول کیا جاسکتا ہے مگر اسلوب کا سیاق و سباق مطلوبہ دلالت کی حد بندی کرتا ہے۔“

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آذَنِي أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ [النساء: ۳]

”اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت سے ہی نکاح کرو، یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔“

أَلَّا تَعْمَلُوا کا ایک معنی بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ ”تمہارے بچے زیادہ نہ ہوں۔“ ابن قیم نے متقدمین اور متاخرین جمہور مفسرین کا موقف بیان کیا ہے کہ ان سب کے نزدیک أَلَّا تَعْمَلُوا کا معنی یہی کیا ہے ”تم ظلم و جور اور یک طرفہ جھکاؤ سے بچ جاؤ گے۔“ جب آدمی ایک طرف جھک جاتا ہے اور ظلم کرتا ہے تو عرب کہتے ہیں: ”عال الرجل يعول“ اسی سے الفرائض (علم الميراث) کا عول ہے کہ ان کے حصے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ جب آدمی محتاج ہو جاتا ہے تو عرب اس کے لیے عال يعيل عيلة کے الفاظ بولتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عِيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾

”اور اگر تمہیں محتاجی کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“ [التوبة: ۲۸]

قول شاعر ہے:

وَمَا يَذَرِي الْفَقِيرُ مَتَى غِنَاهُ

وَمَا يَذَرِي الْغَنِيُّ مَتَى يَعْجِلُ

”محتاج نہیں جانتا کہ کب وہ غنی ہو جائے اور نہ غنی کو ہی معلوم

ہوتا ہے کہ فقیر ہو جائے۔“

مگر کثرۃ العیال (اولاد کی کثرت) نہ عال یعول سے ہے

اور نہ عال یعیل سے۔ بلکہ یہ اُفْعَل کے وزن پر ہے۔ جب آدمی

کثرۃ العیال والا ہو جائے تو عرب کہتے ہیں:

أَعْمَالُ الرَّجُلِ يُعِيلُ جیسے الْكَسَنَ وَأَتَمَرَ اس وقت کہا جاتا

ہے جب کوئی چیز دودھ والی اور کھجور والی ہو جائے۔ یہ اہل لغت کا

قول ہے۔ واحدی نے بسیط میں لکھا ہے۔ تمام مفسرین اور اہل لغت

کے نزدیک تعولوا کا معنی ہے: ”میلان اختیار کرو اور ظلم نہ کرو“ اور یہ

معنی حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی

اکرم ﷺ سے روایت بیان کرتی ہیں کہ ”لَا تَعُولُوا“ کا معنی آپ

نے لَا تَجُورُوا ”تم ظلم و جور نہ کرو“ بیان فرمایا۔ لَا تَمِيلُوا ”میلان

نہ کرو“ بھی روایت کیا گیا ہے۔ اسی کو ابن عباس، حسن بصری، قتادہ،

ربیع، سدّی، ابن مالک، عکرمہ، فراء، زجاج، ابن قتیبہ اور ابن انباری

نے اختیار کیا ہے۔ میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ آیت سے بھی یہی

معنی متعین ہوتا ہے۔ [ابن قیم الجوزیہ: تحفة الودود باحکام

المولود (تحقیق عبد الغفار سلیمان البنداری) ص: ۱۹،

ط: دار الریان للتراث، قاہرہ]

اسی معنی کی تعین و ترجیح میں ابن قیم نے دس دلائل تحفة

الودود باحکام المولود میں بیان کیے ہیں۔ [ایضاً، دیکھیے

صفحات: ۱۹-۲۱] [جاری ہے]

❀.....❀.....❀

الاعتصام

ایک علمی، اصلاحی اور دعوتی جریدہ ہے، اس کے فروغ

اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔ اس سے مالی

تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ [ادارہ]

الاعتصام کے پرانے شمار درکار ہیں

ہفت روزہ الاعتصام کے پرانے شمارے یا جلدیں جن احباب کے پاس ہوں، اور وہ حضرات انھیں کہیں

دینا چاہتے ہوں تو وہ ہمیں یاد فرمائیں۔ ہم ان کو ترتیب دے کر اور جلد بندی کروا کے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

لابریری کی زینت بنادیں گے، ان شاء اللہ۔

امید ہے احباب ہمیں ضرور مطلع کریں گے، اور پرانے شمارے یا جلدیں دفتر میں پہنچا دیں گے، یا ہم

انھیں منگوا لیں گے۔

[منیجر ۵۵ ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ۔ لاہور]

اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے

ابن بشیر الحسینوی

متعلق چند جید علماء اور بعض محدثین کے اقوال پیش کیے ہیں اور حلوٰیہ یعنی وحدت الوجود کی تردید بھی ہو گئی ہے۔
یہ موضوع لکھنے کا سبب کون بنا؟

① میں نے فیصل آباد میں ایک غالی آدمی کے پاس دو دن کا قیام کیا تاکہ اس کے نظریات معلوم کر سکوں جب اس سے مذکورہ مسئلہ پر بات ہوئی تو اس نے بھی کہا کہ ہاں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور کہا جو لوگ اللہ تعالیٰ کو علم کے لحاظ سے ہر جگہ تسلیم کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں جو میں نے کہا یہی حق ہے!!

② ہفت روزہ الاعتصام [جلد: ۵۹/ شماره: ۳، ص: ۲۹] پر مرزا غلام احمد مغل رحمہ اللہ کا شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے متعلق یہ لکھنا کہ ”آپ نے فرمایا یوں ہرگز نہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ کی ذات کو جیسے لائق ہے وہ ویسے ہی وہاں موجود ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو علم کے ساتھ متعین کرنا باطل تاویل ہے جو کہ سابقہ گمراہ فرقوں معتزلہ، جمہیہ، مشبہہ اور ماتریدہ کا قول ہے۔“

اب یہ مذکورہ قول کہاں تک درست ہے اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے اور اس بات کی نفی کرنا کہ اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے۔ ان کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ درست اقوال ہیں یا کہ غلط؟ تفصیل پڑھنے سے آپ پر ہر بات منکشف ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے؟ اس کا جواب عموماً یہ سننے میں آتا ہے کہ ہاں اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے اپنے عرش پر بلند ہے اور علم کے لحاظ سے ہر کسی کے ساتھ ہے اور علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے یعنی وہ جانتا ہے اپنی مخلوقات کے حال و احوال کو۔

اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن، حدیث، اجماع، ائمہ محدثین رحمہم اللہ اور علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں مندرجہ ذیل بحثوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

①..... اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے عرش پر مستوی ہے اور علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے۔ اس میں محدثین کے اقوال زیادہ تر ہم نے امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی کتاب ”توحید خالص، ص: ۲۷۵-۲۸۱“ سے اخذ کیے ہیں۔ مزید اضافے بھی کیے ہیں۔ موجودہ پاکستانی علمائے اہل حدیث کی توضیحات کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کے کبار شیوخ شیخ ابن باز رحمہ اللہ، شیخ محمد بن صالح العثیمین اور شیخ محمد جمیل زینو رحمہم اللہ کی کتب و فتاویٰ جات سے استفادہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے اور ذات کے لحاظ سے اپنے عرش پر مستوی ہے۔

②..... اللہ تعالیٰ ذات کے ساتھ ہر جگہ نہیں ہے اس کے

ہم نے مختلف علماء اور محدثین کے منتشر اقوال کو ایک جگہ ترتیب دے دیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کیا ہے جو بالکل حق بات ہے، والحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ رحم کرے ہر اس شخص پر جو مجھے میری غلطی پر تنبیہ احسن کرے۔

تنبیہ: اہل دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ ”خدا ہر جگہ موجود ہے۔“

[ملفوظات فقیہ الامت: ۱۴/۲]

حاجی امداد اللہ کی لکھتے ہیں کہ ”مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح

ہے۔ [شمائم امدادیہ، حصہ اول، ص: ۳۲]

تفصیل کے لیے دیکھیں: ”دیوبندیت از سید طالب الرحمن شاہ صاحب، ص: ۱۹۵-۲۰۴“

بریلویوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اور یہ بھی وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ اس کے بطلان کے لیے دیکھیں:

”توحید خالص، ص: ۲۴۰-۲۴۸ از بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ“

①.....قرآن میں ہے:

﴿وَ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ۱۲]

”اور بے شک اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو گہرے ہوئے ہے۔“

اس بات کی دلیل کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے۔

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۵]

”رحمن (اللہ تعالیٰ) عرش کے اوپر بلند ہے۔“ مگر کیفیت پر

بات کرنا حرام ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ط يَعْلَمُ مَا يَلْجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا

يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ط

”وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا

پھر عرش (بریں) پر بلند ہوا، وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے، اور (اسے بھی جانتا ہے) جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔“ [الحديد: ۴]

اس آیت سے دونوں مسئلے ہی ثابت ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے (ذات کے لحاظ سے) اور ہر جگہ ہے علم کے لحاظ سے۔

②.....حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ (یہ

استنباط ہے۔)

ایک حدیث میں ہے:

”وَاللَّهُ تَعَالَىٰ فَوْقَ ذَلِكَ وَلَيْسَ يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ

مِنْ أَعْمَالِ بَنِي آدَمَ۔“ [مسند احمد: ۱/۲۰۶]

”اور اللہ تعالیٰ اس (آسمانوں) کے اوپر ہے اور بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل اس پر مخفی نہیں ہے۔“

یعنی وہ جانتا ہے اور بندوں کے ہر عمل کا اسے علم ہے۔

③.....اجماع امت بھی اسی پر ہے۔ ابو عمر احمد بن محمد بن

عبد اللہ الطلمنکی الاندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اہل سنت مسلمانوں کا

اس پر اجماع ہے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحديد: ۴]

وغیرہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ

”أَنَّ ذَلِكَ عِلْمُهُ وَأَنَّ اللَّهَ فَوْقَ السَّمَوَاتِ بِذَاتِهِ

مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ كَيْفَ شَاءَ۔“

[شرح حدیث النزول لابن تیمیہ، ص: ۱۴۴، ۱۴۵]

”بے شک اس سے اللہ کا علم مراد ہے، اللہ اپنی ذات کے لحاظ

سے آسمانوں سے اوپر، عرش پر مستوی ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

[تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۴۰ عربی]

ابن عبد البر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ”صحابہ اور تابعین کا

اجماع اسی پر ہے اور کسی ایسے شخص نے ان کی مخالفت نہیں کی جس کا قول شمار کیا جائے۔“ [شرح النزول لابن تیمیہ، ص: ۷۴، توحید خالص، ص: ۲۷۶]

ابونصر ہجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”وَأَيُّمْتُنَا كَسْفِيَانِ وَمَالِكِ وَالْحَمَّادَيْنِ وَابْنِ عُيَيْنَةَ وَالْفَضِيلِ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأُحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ وَاسْحَاقَ مُتَّفِقُونَ عَلَى أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَعِلْمُهُ بِكُلِّ مَكَانٍ -“ [سير اعلام النبلاء: ۱۷/۶۵۰، مختصر الصواعق المرسله: ۱۹۰/۳]

”ہمارے ائمہ جیسے سفیان، مالک، دونوں حماد، ابن عیینہ، الفضیل، ابن المبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق رحمہم اللہ سب اسی بات پر متفق ہیں کہ اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔“

⑤..... ائمہ محدثین کی تصریحات کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحديد: ۴]

”اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔“

یہ آیت یا اس مفہوم کی دیگر آیات (جن میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے ہے یعنی وہ تمہیں جانتا ہے وہ تمہاری حرکات و سکنات اور اعمال کو جانتا ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَهُوَ شَاهِدٌ عَلَيْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّنَا كُنْتُمْ يَعْلَمُكُمْ وَيَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ وَمُنْقَلَبَاتِكُمْ وَثَوَائِكُمْ وَهُوَ عَلَى عَرْشِهِ، فَوْقَ سَمَوَاتِهِ السَّبْعِ -“

[تفسیر طبری: ۱۲۵/۲۷]

”اے لوگو! وہ (اللہ) تم پر گواہ ہے، تم جہاں بھی ہو وہ تمہیں

جانتا ہے، وہ تمہارے اعمال، پھرنا اور ٹھکانا جانتا ہے اور وہ اپنے سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔“
امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هُوَ فَوْقَ الْعَرْشِ وَعِلْمُهُ مَعَهُمْ أَيُّنَمَا كَانُوا -“

”وہ عرش پر ہے اور اس کا علم ان (لوگوں) کے ساتھ ہے چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔“ [تفسیر طبری: ۱۰/۲۸]

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّهُ مَعَهُمْ بِالْعِلْمِ بِمَا هُمْ عَلَيْهِ -“

”جس حالت پر ہوں اللہ علم کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے۔“ [تاویل مختلف الحديث، ص: ۳۴۴]

امام احمد بن حنبل سے سوال ہوا کہ اللہ کی معیت جو قرآن میں وارد ہے اس سے کیا مراد ہے تو فرمایا:

”عِلْمُهُ، عَالِمُ الْغَيْبِ، مُحِيطٌ، بِكُلِّ شَيْءٍ شَاهِدٌ، عَلَامُ الْغُيُوبِ، يَعْلَمُ الْغَيْبِ، رَبُّنَا عَلَى الْعَرْشِ بِلَا حِدٍّ وَلَا صِفَةٍ -“ [شرح حديث النزول، ص:

۷۵، ۷۴]

”اللہ کا علم مراد ہے، وہ عالم الغیب ہے، ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ شاہد ہے، علام الغیوب ہے، وہ غیب جانتا ہے، اور ہمارا رب بلا حد و صفت عرش پر ہے۔“

امام نعیم بن حماد فرماتے ہیں:

”وَهُوَ مَعَكُمْ قَالَ مَعْنَاهُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ

بِعِلْمِهِ -“ [العلو للذهبی، ص: ۱۳۲]

”وہو معکم سے مراد ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔“

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْمُرَادُ مِنْ كَوْنِهِ تَعَالَى مَعَهُمْ كَوْنُهُ عَالِمًا

بِكَلَامِهِمْ وَضَمِيرِهِمْ وَسِرِّهِمْ وَعَلْنِهِمْ -“

[تفسیر الکبیر: ۸/ ۱۶۲]

”اللہ تعالیٰ کے ان کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے کلام و ضمیر اور پوشیدہ و ظاہر کو جانتا ہے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اَلَا هُوَ مَعَهُمْ کی تفسیر میں: ”مُطْلَعٌ عَلَيْهِ يَسْمَعُ كَلَامَهُمْ وَسِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ“

[تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۴۰]

”وہ مطلع ہے، ان کا کلام اور ازاداری، سرگوشی کو سنتا ہے۔“

امام آجری فرماتے ہیں:

”عِلْمُهُ عَزَّوَجَلَّ وَاللَّهُ عَلَى عَرْشِهِ وَعِلْمُهُ مُحِيطٌ

بِهِمْ وَبِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ -“ [الشريعة، ص: ۲۸۸]

”(معیت سے) اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اس کا علم ان کا اور مخلوق میں سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے

ہے۔“

امام دارمی فرماتے ہیں: ”هو معهم بالعلم“ علمی معیت مراد

ہے۔ واضح رہے کہ آیات کثیرہ سے ثابت ہے کہ وہ عرش کے اوپر

ہے اور آسمانوں کے اوپر، وہ واقعی اسی طرح ہے، اس میں کوئی شک

نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جو یہ اطلاع دی ہے کہ میں سرگوشی کرنے

والوں کے ساتھ ہوں تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ ان کا علم

رکھتا ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ورنہ وہ بذاتہ عرش پر ہے البتہ اس کے علم

وبصر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، چاہے (وہ چیز) ساتویں آسمان

کے اوپر ہو یا ساتویں زمین کے نیچے۔“

[الرد علی الجہمیہ، ص: ۲۰]

امام ابو زرعا اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

”وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ عَلَى عَرْشِهِ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ،

كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ وَعَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَا كَيْفٍ، أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عِلْمًا، لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ -“

[اصل السنة واعتقاد والدینی لابن ابی حاتم الرازی:

۱۶]

”اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر (بغیر سوال کیفیت مستوی) ہے،

اپنی مخلوق سے (بلحاظ ذات) جدا ہے جیسا کہ اس نے کتاب

(قرآن مجید) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (مبارک)

پر بیان فرمایا ہے۔ اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے، اس کی

مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔“

نیز اس کا ترجمہ [ماہنامہ الحدیث: ۲/ ۴۱-۴۵] میں طبع بھی

ہو چکا ہے۔

⑤..... علماء کی تصریحات کہ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ علم ہے نہ کہ وہ

بذاتہ ہر جگہ ہے۔

امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معیت من

حيث العلم مراد ہے۔ [توحید خالص، ۲۷۵:]

حافظ ثناء اللہ مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ان نصوص سے معلوم

ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے۔“ کما

يليق بجلاله البته اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

﴿وَ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ۱۲]

جملہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے، اس کا خلاف الحاد و گمراہی

ہے۔ واللہ الہادی للصواب [فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ: ۱/ ۱۸۹]

شیخ مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ ہر جگہ میں موجود

ہے کیوں کہ وہ مکان سے پاک اور مبرا ہے البتہ اس کا علم اور

اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے، اس کی معیت ہر کسی کو حاصل

ہے جیسا کہ کتب عقائد میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔“

[آپ کے مسائل: ۱/ ۳۴]

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اللہ کی معیت کے لیے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ ہمہ گیر نگرانی صرف روئے زمین سے متعلق نہیں۔ بلکہ تم میں سے ہر فرد کے ساتھ وہ ہمہ وقت موجود ہوتا ہے اور تمہاری حرکات و سکنات اور اقوال و افعال اس کے علم میں ہوتی ہیں۔ تم نہ خود اللہ سے چھپ سکتے ہو اور نہ ہی اپنے افعال اور حرکات و سکنات کو اس سے چھپا سکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی یہ معیت اس کی ذات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس کی قدرت اور اس کے علم کے لحاظ سے ہوتی ہے۔“ [تیسیر القرآن: ۴/۳۷۰]

حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یہاں معیت سے علم و قدرت مراد ہے۔“

[ماہنامہ الحدیث: ۴۷/۲۴]

سماحۃ الشیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ بات قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اس پر تمام سلف امت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی مخلوق کے اوپر اور ان سے جدا ہے، وہ اپنے عرش پر مستوی ہے، اور استواء اس طرح ہے جس طرح اس کی ذات گرامی کے شایان شان ہے۔ اس کا استواء اپنی مخلوق کے استواء سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ہاں البتہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے اپنی مخلوق کے ساتھ ہے، اپنی مخلوق کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں۔“ معیت کی دو قسمیں ہیں:

①..... معیت عامہ، اور ②..... معیت خاصہ

معیّت خاصہ کی مثالیں حسب ذیل ہیں، مثلاً: ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾

[النحل: ۱۲۸]

”یقیناً جو پرہیزگار اور نیکوکار ہیں، اللہ ان کے ساتھ ہے۔“

اور فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ۴۰]

”غم نہ کرو واللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

نیز ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَ أَرَى﴾ [طہ: ۴۶]

”تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں۔“

اور اسی طرح کی دیگر آیات جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے انبیاء، اپنے مومن اور متقی بندوں کے ساتھ ہے کہ انہیں اس کی نصرت و تائید، اعانت و توفیق تسدید و کفایت اور نگہداشت و ہدایت حاصل ہے۔

معیّت عامہ کے معنی مکمل احاطہ اور علم کے ہیں۔ چنانچہ اس معیت کا بھی بہت سی آیات میں ذکر ہے، مثلاً:

﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آذَنِي مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ إِنَّمَا كُنَّا﴾ [المجادلة: ۷]

”(کسی جگہ) تین (آدمیوں) کا کانوں میں صلاح و مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ إِنَّمَا كُنْتُمْ﴾ [الحديد: ۴]

”اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔“

﴿فَلَنَقْصَنَّ عَنْهُمْ بَعْلَهُمْ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ﴾ [الاعراف: ۷]

”پھر اپنے علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔“ اور فرمایا

﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ﴾ [يونس: ۶۱]

”اور (اے پیغمبر) تم جس حال میں ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو، جب اس میں مصروف ہوتے ہو ہم تم پر حاضر ہوتے ہیں (یعنی ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔)“

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی ہے، اس کیفیت کے ساتھ جو اس کے کمال و جلال کے لائق ہے، وہ اپنے علم کے ساتھ اپنی مخلوق کا حاطہ کیے ہوئے ہے، وہ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے سامنے حاضر ہے خواہ وہ بروجر میں ہوں، رات یا دن کا کوئی لمحہ ہو، خواہ وہ اپنے گھر میں ہوں یا جنگل میں اس کے علم میں سب برابر ہیں، سب اس کے سمع و بصر کے سامنے ہیں، ان کے کلام کو سنتا، ان کے مکان کو دیکھتا اور ان کے اسرار اور سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿الَا أَنَّهُمْ يُنْفِثُونَ صُودْرَهُمْ لَيْسَتْخَفُوا مِنْهُ طَّالًا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ لَا يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ وَ مَا يَعْلَنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [ہود: ۵]

”دیکھو یہ اپنے سینوں کو پھیرتے ہیں تاکہ اللہ سے پردہ کریں، بن رکھو جس وقت وہ اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں (تب بھی) وہ ان کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے وہ تو دلوں کی باتوں سے آگاہ ہے۔“

اور فرمایا:

﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ [الرعد: ۱۰]

”کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔“

اور فرمایا:

﴿لَعَلَّكُمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا وَ أَنَّ اللَّهَ قَدْ

أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ۱۲]

”تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے سوانہ کوئی الہ (معبود) ہے اور نہ کوئی رب۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے معیت عامہ کی آیات کو علم سے شروع کیا اور علم ہی پر ختم کیا ہے تاکہ بندے یہ جان لیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات اور تمام معاملات کو جانتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان کے گھروں میں، ان کے غسل خانوں میں یا دیگر مقامات پر ان کے ساتھ مختلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے بہت پاک ہے۔ معیت کے یہ معنی بیان کرنا کہ وہ مخلوق کے ساتھ اپنی ذات کو مختلط کیے ہوئے ہے تو یہ ان اہل حلول کا قول ہے جن کا یہ گمان ہے کہ ان کا معبود اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، یہ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے تو پاک قرار دیتے ہیں وہ عرش پر مستوی ہوا اور اپنی مخلوق سے بلند ہوا۔ لیکن اس بات سے اللہ تعالیٰ کو پاک قرار نہیں دیتے کہ وہ غلیظ اور گندی جگہوں پر موجود ہو اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ اور اس کے ہم معنی آیات سے یہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ظاہری یا باطنی طور پر مخلوقات کے ساتھ مخلوط و مزوج ہے۔ کیوں کہ مع کا لفظ کسی صورت بھی اس مفہوم پر دلالت کناں نہیں ہے، اس کی زیادہ سے زیادہ جو دلالت ہے وہ کسی امر میں مصاحبت، موافقت اور مقارنت پر ہے اور یہ اقتران ہر جگہ اس کے مناسب حال ہوگا۔

[مقالات و فتاویٰ، ص: ۱۳۱-۱۳۵]

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ معیت دو قسم کی ہے: ایک معیت عامہ اور دوسری معیت خاصہ۔

قرآن حکیم نے معیت کی ان دونوں قسموں کو ذکر کیا ہے۔

محض لفظی اشتراک کے طور پر نہیں، بلکہ معیت و صحبت کی جو حقیقت اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے، اسی حقیقت کے ساتھ۔“

[الصواعق المرسله، ص: ۴۰۹]

حافظ ابن رجب نے ”الاربعین النوویہ“ کی ۲۹ ویں حدیث کی شرح کے ضمن میں فرمایا ہے: ”اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ، نصرت، تائید، حفاظت و اعانت کی متقاضی ہے، جب کہ معیت عامہ، اللہ تعالیٰ کا بندوں پر علم و احاطہ اور ان کے تمام اعمال کی مکمل نگرانی کی متقاضی ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، سورہ المجادلہ کی آیت (۷) معیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہاں معیت سے مراد معیت علم و احاطہ ہے اور بلاشبہ یہ مراد لینا محمول بر حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر بات سنتا اور ہر چیز دیکھتا ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی خلق کے تمام احوال و امور پر پوری طرح مطلع ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔“ [توحید

اسماء و صفات، ص: ۱۶۲، ۱۶۳۔ ترجمہ القواعد المثلی]

مزید لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی معیت مع الخلق اس امر کی متقاضی ہے کہ وہ از روئے علم، قدرت، سمع، بصر، غلبہ، تدبیر اور دیگر معانی ربوبیت کے ساتھ اپنی تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور معیت کا یہ معنی تب ہوگا جب معیت سے مراد معیت عامہ ہوگی، اور اگر معیت خاصہ کا ذکر ہوگا تو پھر علم و احاطہ کے ساتھ ساتھ معیت کا معنی نصرت، تائید، توفیق اور تسدید (سیدھا کرنا) ہوگا۔“ [ایضاً: ۱۶۸]

شیخ محمد جمیل زینو فرماتے ہیں:

”اللہ اپنے علم کے ساتھ ہمارے ساتھ ہے وہ ہمیں سن اور دیکھ

رہا ہے۔“ [مسلمان کا عقیدہ، ص: ۴]

⑤..... علماء اور محدثین کی صراحت کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود

نہیں ہے۔

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”(جہمیہ کے فرقے) ملترمہ نے باری تعالیٰ کو ہر جگہ

(موجود) قرار دیا ہے۔“ [تلبیس ابلیس، ص: ۳۰]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اور یوں کہنا جائز نہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر مکان میں ہے

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آسمان میں عرش پر ہے۔“

[غنیۃ الطالبین: ۱/۱۰۰]

حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں:

”بعض الناس کا اس آیت کریمہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا

كُنْتُمْ﴾ [الحديد: ۴] سے یہ مسئلہ تراشنا کہ ”اللہ اپنی ذات کے

ساتھ ہر جگہ موجود ہے“ غلط اور باطل ہے اور اجماع کے

مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔“ [ماہنامہ الحدیث:

۴۶/۲۴]

سماعۃ الشیخ ابن باز فرماتے ہیں کہ ”ان میں (محدثین وائمہ

عظام ازناقل) سے کسی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ آسمان میں نہیں

ہے یا یہ کہ وہ عرش پر نہیں ہے اور نہ کسی نے کبھی بھی یہ کہا کہ وہ اپنی

ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے اور اس کی نسبت سے تمام جگہیں

برابر ہیں۔“ [مقالات و فتاویٰ، ص: ۱۳۲]

مزید فرماتے ہیں:

”بعض لوگوں کا استدلال بالکل باطل ہے کیوں کہ ان کا گمان

یہ ہے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ زمین

میں موجود ہے، مثلاً: طور (پہاڑ) کی طرف، حالاں کہ اللہ

تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ

ہے۔“ [ایضاً، ص: ۱۳۳]

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی معیت مع الخلق، کہ اللہ تعالیٰ اپنی خلق کے ساتھ مخلط یا ان میں حلول کیے ہوئے ہے، صفت معیت کا یہ معنی چوں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل اور ناممکن ہے، لہذا یہ معنی کسی بھی صورت جائز نہیں ہے اور یہ بات بھی جائز بلکہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا کوئی کلام باطل یا ناممکن اور محال معنی پر مشتمل ہو۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ العقیدۃ الواسطیہ [ص: ۱۱۰] میں فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ کا یہ معنی نہیں ہے کہ خلق کے ساتھ مخلط ہے۔ صفت ”مع“ کے اس معنی کو ہر جگہ ضروری قرار نہیں دیتی۔ چاند اللہ تعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نشانی ہے، جو آسمان میں رکھی گئی ہے اور وہ مسافر وغیرہ کے ساتھ ہے خواہ وہ کہیں بھی چلے جائیں۔“

یہ معنی باطل ہے، پرانے جہمیہ میں سے صرف فرقہ حلوئیہ نے مراد لیا ہے، جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، اللہ ان کی اس بات سے بہت بلند ہے، وہ اپنے منہ سے بڑی اور ناگوار بات کہہ گئے، اور وہ تو ہیں ہی بڑے جھوٹے۔

حلوئیہ جہمیہ کا یہ قول ائمہ سلف میں سے جس جس تک پہنچا انھوں نے اس کی شدید تکفیر فرمائی، کیوں کہ اس مذہب سے بہت سے باطل امور لازم آتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بہت سے نقائص منسوب کرنے، اور اللہ تعالیٰ کی صفت علو کا انکار کرنے کو مشتمل

و متضمن ہیں۔ [توحید اسماء وصفات، ص: ۱۶۲، ۱۶۳]

معلوم ہوا کہ شیخ ابن صالح العثیمین نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کر لیا والحمد للہ۔ جو رمز مغل نے الاعتصام میں لکھا ہے وہ غلط ہے ان کو ابن عثیمین کے رجوع کا شاید علم نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ

①..... اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ اس پر قرآن، حدیث، اجماع، محدثین اور علماء کے فتاویٰ جات شاہد ہیں، یہی حق ہے۔

②..... یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے یہ باطل اور مردود ہے، اور یہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ اسی عقیدے کو چھوڑنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور صحیح عقیدہ کہ ”اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر بلند ہے اور علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے“ کو اپنانا ضروری ہے۔

③..... عقیدہ حلول اور وحدت الوجود رکھنے والے گمراہ لوگ ہیں۔

سبحانک اللہم وبحمدک

اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک

❀.....❀.....❀



مدد صرف اللہ مشکل کشا سے

مولانا عبدالرحمن ضیاء (مدرس شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور)

﴿كَمْ لَبِثْتُ﴾ ”کتنی دیر ٹھہرے رہے ہو؟“ انھوں نے بھی یہی کہا ﴿لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ”میں ایک دن یا ایک دن کا کوئی حصہ ادھر ٹھہرا ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ ﴿بَلْ لَبِثْتُ مِائَةً عَامٍ﴾ ”بلکہ تم تو ایک سو سال (ادھر) رہے ہو۔“

③..... حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع بن نون کے ساتھ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا ہوا تھا کہ اپنے ساتھ ایک مردہ مچھلی لے جاؤ جہاں وہ مچھلی زندہ ہو کر گرم ہو جائے وہاں اس میرے بندے خضر سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ ایک مچھلی زمبیل میں رکھ کر لے گئے۔

جب وہ ایک چٹان کے پاس پہنچے تو وہاں موسیٰ علیہ السلام لیٹ کر سو گئے جب کہ ان کے خادم یوشع جاگتے رہے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ مردہ مچھلی زمبیل میں اچھل کر عجیب طریقے سے سمندر میں داخل ہو گئی۔ یوشع نے (دل ہی میں) کہا کہ جب موسیٰ انھیں گے تو میں ان کو مچھلی کا یہ عجیب منظر بتاؤں گا لیکن جب موسیٰ نیند سے اٹھے تو یوشع کو انھیں بتانا یاد ہی نہ رہا چنانچہ وہ اپنی بقیہ رات اور اگلے دن کی دوپہر تک چلتے رہے۔ جب تھک گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم تھک گئے ہیں ہمیں کھانا دو۔ اس وقت یوشع کو یاد آیا کہ (اوہ ہوا!) جس جگہ ہم چٹان کے پاس آرام کرنے کے لیے ٹھہرے تھے وہاں مچھلی تو زندہ ہو کر عجیب طریقے سے سمندر میں چلی گئی تھی اور مجھے آپ کو بتانا یاد ہی نہیں رہا،

لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے پیدا کرنے والے اللہ مشکل کشا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو غیبی مدد کے لیے پکارتے ہو، ان کے آگے گڑگڑاتے ہو، حالاں کہ وہی رب العلمین ہے، وہی اللہ العلمین ہے، وہی علام الغیوب ہے، وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہی علیٰ کل شیء قدير ہے، وہی علیٰ کل شیء شہید ہے، وہی علیٰ کل شیء رقیب ہے، وہی علیٰ کل شیء وکیل ہے، وہی ہر شے پر غالب و عزیز ہے اس کا کوئی بھی شریک و سہم نہیں، وہی بیک وقت سب کی سننے والا ہے اور مشکلات میں پھنسنے کی مشکلات حل کرنے پر قادر مطلق ہے تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

①..... اصحاب کہف جو اللہ کے اولیاء تھے، قمری حساب کے مطابق تین سو نو سال سوئے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں جگایا اور اٹھایا تو ﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ [کہف: ۱۹] ”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟“ ﴿قَالُوا كُنْثَنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ [کہف: ۱۹] ”کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے تھوڑا ٹھہرے ہیں۔“

اگر اصحاب کہف دنیا کے تمام احوال اور واردات سے باخبر ہوتے تو وہ اپنے ٹھہرنے کی صحیح مدت بتا دیتے۔

②..... اسی طرح مشہور قول کے مطابق حضرت عزیر علیہ السلام سو سال موت کی حالت میں رہے پھر اللہ نے انھیں زندہ کیا اور پوچھا:

اور شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی تو وہ جگہ ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہوئے ہیں چنانچہ وہ وہیں سے اپنے پاؤں کے نشانات پر واپس پلٹے حتیٰ کہ اسی جگہ پر آئے جہاں آرام کرنے کے لیے سوئے تھے وہاں ان کی ملاقات خضر علیہ السلام سے ہو گئی۔

[بخاری عربی ج: ۲/ ۶۸۷، ۶۸۸ کتاب التفسیر تفسیر سورة الکھف]

بھائیو! اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نیند کی حالت میں تمام واقعات اور واردات کو جانتے ہوتے تو انھیں مچھلی کے متعلق پوری طرح پتا چل جانا تھا اور اتنا لمبا سفر کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی تھی۔ اگر انھیں ہر شے کا علم ہوتا تو خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے نشانی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

نیند موت کی بہن ہے اور وہ موت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ نیند میں جب یہ حالت ہوتی ہے تو موت میں تو بالاولیٰ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کسی کی وفات کے بعد عالم اسباب سے تعلق رکھنے والے امور میں بھی اس سے مدد نہیں مانگتے تھے حتیٰ کہ اپنے پیارے رسول ﷺ سے بھی وہ مدد نہیں مانگتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں، مثلاً:

①..... جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ اگر بحرین سے جزیرہ (سالانہ ٹیکس) آئے گا تو میں تجھے اتنا اتنا اور اتنا مال دوں گا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے مجھ سے دینے کا وعدہ تو فرمایا لیکن بحرین سے مال تو نہ آیا مگر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ مال آیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کر لیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے کوئی قرض لیا ہو یا آپ نے کسی کو مال دینے کا کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ میرے پاس آ کر وصول کر لے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انھیں بتایا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے اتنا اتنا اور اتنا مال دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا آپ مجھے دیجیے۔ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے نہ دیا میں پھر دوبارہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے پھر بھی نہ دیا میں تیسری دفعہ پھر آیا انھوں نے پھر بھی نہ دیا میں نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ کے پاس پہلی دفعہ لینے کے لیے آیا تھا تو آپ نے مجھے نہیں دیا، پھر میں دوبارہ آپ کے پاس آیا لیکن آپ نے پھر بھی نہ دیا، پھر اب میں تیسری بات آیا ہوں آپ پھر بھی نہیں دے رہے کیا کسی بخل کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے کہ آپ مجھے دے نہیں رہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخل تو سب سے بری بیماری ہے تینوں بار میں نے جو تجھے نہیں دیا تو اس کی وجہ بخل ہرگز نہیں بلکہ ہر بار میری نیت آپ کو دینے کی ہوتی تھی (لیکن کسی وجہ سے نہیں دے سکا تھا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب لے لو) چنانچہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ۱۵۰۰ درہم وصول کیے۔ [بخاری: ۲/ ۶۲۹]

②..... حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ سفید تھے اور آپ کے بالوں میں بھی کچھ سفیدی ظاہر ہو چکی تھی اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ آپ نے ہمیں ۱۳ اونٹنیاں دینے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ ہم لینے کے لیے گئے تو ہمیں آپ ﷺ کی موت کے متعلق پتا چلا۔ تو صحابہ نے ہمیں کچھ بھی نہ دیا جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے اعلان کیا کہ جسے دینے کا رسول اللہ ﷺ نے کوئی وعدہ کیا تھا وہ آ کر لے لے میں نے کھڑے ہو کر بتایا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں وہ اونٹنیاں دے دیں۔ [ترمذی ابواب الإستعذان والأدب باب العدة، رقم: ۲۸۲۶]

③..... حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک عورت کسی کام کی غرض سے آئی۔ اس نے اپنے کسی

کام کے متعلق بات چیت کی، آپ نے اسے کہا بعد میں آ جانا وہ کہنے لگی اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں (یعنی آپ وفات پا چکے ہوں) تو پھر؟ آپ نے فرمایا: «إِنْ لَمْ تَجِدْنِي فَاَتَى أَبَا بَكْرٍ» ”ایسی صورت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ جانا۔“ [بخاری مناقب ابی بکر]

آپ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ میری قبر پر آ کر اپنا کام کروالینا یا گھر بیٹھی ہی مجھے پکار لینا اور مجھ سے اپنا کام کروالینا۔

آپ سوچیں اور غور کریں کہ یہ ۱۵۰۰ درہم دینا اور یہ تیرہ اونٹنیاں دینا علم اسباب سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ دنیا میں زندہ ہوتے تو وہ دونوں صحابی لینے کے لیے سیدھے آپ کے پاس حاضر ہوتے لیکن آپ کے قبر میں مدفون ہونے کے بعد وہ آپ کی قبر پر آپ سے مانگنے کے لیے نہیں گئے۔ کیا آج دورِ حاضر میں کوئی شخص کبھی اپنی بیوی کی قبر پر جا کر یہ کہتا ہے کہ محترمہ بیگم صاحبہ! مجھے کھانا تیار کر دو، میرے کپڑے دھو کر دو، کپڑے استری کر دو، یا کوئی چندہ وصول کرنے والا کسی مالدار کی قبر پر جا کر کہتا ہے کہ مجھے اتنا چندہ دے دو؟

لوگو! تمہارا مشکل کشا تمہارا رب اللہ تو تمہیں خود فرما رہا ہے: ﴿أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

”مجھے پکارا کرو، مجھے سے مانگا کرو، میں تمہاری پکار قبول کروں گا۔“

لیکن تم نے اسے چھوڑ کر ان کو پکارنا شروع کر دیا جو تمہاری پکار کو قیامت تک قبول نہیں کر سکتے اور نہ ہی تمہیں دے سکتے ہیں، اور وہ تمہاری پکار سے بھی بے خبر ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ﴾

[الاحقاف: ۵]

تم نے کہا کہ وہ اولیاء ہیں وہ ہر طرح کی طاقت رکھتے ہیں سب کچھ سنتے ہیں انہیں ہر طرح کے اختیارات ہیں۔ میں کہتا ہوں

پھر اصحاب کھف کو کیوں نہ علم ہو سکا کہ ہم اتنی دیر ادھر ٹھہرے رہے ہیں۔ انہیں کیوں نہ پتا چل سکا کہ اب حکومت مسلمانوں کی ہے اور ان کا دشمن بادشاہ مرچکا ہے، اور اس کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ وہ اس بات سے کیوں ڈر رہے تھے کہ ہمارے متعلق کسی کو پتا نہ چل جائے کیوں کہ اگر انہیں پتا چل جائے گا تو وہ ہمیں کافر بنا دیں گے یا پھر ہمیں رجم کر دیں گے جیسا کہ یہ بات (سورۃ کھف آیت ۲۰) سے بخوبی واضح ہو رہی ہے۔

پھر حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال کے احوال کا کیوں پتہ نہیں چل سکا؟

لوگو! تم نے اولیاء کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ ہر طرح کی حمایت و مدد کرنے والے ہوتے ہیں یہ مطلب لے کر تم خود بھی دھوکے میں پڑے اور دوسروں کو بھی دھوکے میں رکھا اور ڈالا اور اسی دھوکے میں نوح علیہ السلام کی قوم بڑی ہوئی تھی۔ دیکھیے انھوں نے جن بزرگوں کو مشکل کشا سمجھ لیا تھا وہ بھی اولیاء اور صالحین ہی تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان موجود ہے اور ان کے نام سورۃ نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر لکھتے ہوئے ہیں اور مکہ کے لوگوں نے بھی تو اولیاء کو ہی مشکل کشا سمجھا ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي

أَوْلِيَاءَ﴾ [الکھف: ۱۰۲]

”کیا پس منکر لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ میرے (نیک) بندوں کو میرے سوا (اپنے لیے) اولیاء (یعنی اپنے حمایتی اور مددگار) بنالیں گے؟“

یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (عیسیٰ، عزیر اور فرشتوں کو) اپنے اولیاء یعنی مددگار اور حمایتی بنایا تھا جیسا کہ تفسیر عثمانی سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں جن کے متعلق تمہیں بہت دعویٰ ہے کہ وہ ہماری تکلیف اور مصیبت کو

دور کر سکتے ہیں، اور ہم سے مصیبت پھیر کر دوسروں کو بھی لگا سکتے ہیں، اور وہ صاحب تصرف ہیں، انھیں پکار کر تو دیکھو۔

﴿لَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾ □

”وہ تو یہ تصرف اور اختیار نہیں رکھتے کہ تمہاری مصیبت اور تکلیف دور کر سکیں اور نہ ہی تم سے پھیر کر دوسروں کو لگانے کا ان میں تصرف و اختیار ہے۔“

عرب کے شرک کی اصل جڑ یہی تھی کہ وہ اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ انبیاء اور اولیاء کی تصویریں اور مورتیاں ہیں، اور نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک اولیاء کی مورتیاں بھی منتقل ہو کر عرب کے قبائل میں پہنچ آئی تھیں جیسا کہ (صحیح البخاری کتاب التفسیر تفسیر سورة نوح) سے معلوم ہوتا ہے۔ پہلے پرانے لوگ ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ جاتے تھے۔ بعد میں انھوں نے ان کی مورتیاں بنا ڈالی تھیں۔ [نیز دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ]

آج کل بھی جن کو یہ لوگ اولیاء سمجھتے ہیں ان کی تصویروں کے پوسٹر بنواتے ہیں اور دن رات ان کی خرید و فروخت عام ہو رہی ہے۔ کوئی انھیں سرکار کہہ کر پکارتا ہے، کوئی مشکل کشا کہتا ہے، کوئی انھیں بگڑی بنانے والے، کوئی بیڑا تارنے والے کہہ کر پکارتا ہے، کوئی انھیں اپنی قسمت کے مالک سمجھ رہا ہے اور کوئی انھیں تقدیر بدلنے والے سمجھ رہا ہے۔ ان میں سے بعض تو اس حد تک دور نکل چکے ہیں کہ وہ اپنی گاڑی، بس، رکشہ یا ٹرک کے اگلے شیشے پر روغن سے اپنے مشکل کشا کی تصویر بنواتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا یہ مشکل کشا اسے کسی بھی حادثہ سے بچالے گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ گاڑی کے آگے روغن کا ایک ڈبہ لٹکا دینا یا کسی کی روغن تصویر لٹکا دینا یا چسپاں کر دینا برابر ہے۔ جس طرح وہ روغن ڈبہ یا روغن پیکٹ یا پوری بس کی باڈی کو کیا ہوا چمک دار روغن اس بس کو کسی بھی حادثے یا نقصان سے بچانے کی طاقت نہیں رکھتا اسی طرح یہ مزمومہ مشکل کشا کی روغن تصویر بھی کسی بھی نقصان سے بچانے پر ایک ذرہ برابر بھی

قدرت اور طاقت نہیں رکھتی۔

میرے مشکل کشا اللہ کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کی بات کو سنتا ہے ہر ایک کو دینے پر قادر ہے کیا آپ نے میدانِ عرفات میں نہیں دیکھا کہ وہاں تقریباً پچاس لاکھ حجاج ہوتے ہیں ہر کوئی اپنی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے کسی ایک کی سننے کی وجہ سے وہ کسی دوسرے کی سننے سے بے خبر نہیں ہوتا، سبحان اللہ

کوئی شخص کتنی ہی دور چلا جائے، کتنی ہی تاریکی و گہرائی اور دوری میں چلا جائے، پہاڑوں کی گھٹی سے گھٹی تر گہری غاروں میں چلا جائے، سمندروں کی تہوں میں چلا جائے، خلا کی لامحدود پہنائیوں میں چلا جائے وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں بھی چھپ نہیں سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [آل عمران: ۵۰]

”یقیناً زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔“

میں کہتا ہوں کسی شے کا چھپنا تو دور کی بات ہے تمام انسانوں اور جنوں اور شیطانوں کی آنکھوں کی حرکتیں اور ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات، ارادے اور وسوسے بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾

”وہ آنکھوں کی خیانت سے بھی واقف، باخبر ہے اور سینے (اور دل) جو کچھ اپنے اندر چھپاتے ہیں ان سے بھی پوری طرح واقف ہے۔“ [المؤمن: ۱۹]

پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ”الشہید“ بھی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [البروج: ۹]

(اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی شے پوشیدہ

﴿اَقْمِنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ وَجَعَلُوا
لِلَّهِ شُرَكَاءَ﴾ [الرعد: ۳۳]

”وہ اللہ جو ہر شخص کے کیے ہوئے اعمال کی نگہبانی کرنے والا

ہے اور لوگوں نے اللہ کے شریک بنائے ہوئے ہیں۔“

اسی طرح جو اللہ سے ڈرنے کی طرح ہی کسی بزرگ سے ڈرے اور عقیدہ یہ بنائے کہ میں اپنے پیر یا بزرگ سے چھپ نہیں سکتا میں زمین کے جس حصہ یا قطعہ میں بھی چلا جاؤں وہ مجھ سے اور میرے احوال سے ہمہ تن پوری طرح باخبر ہے اسی بنا پر وہ اس سے غیبی مدد مانگتا ہو تو ایسے شخص نے اس بزرگ یا پیر کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے کسی بزرگ یا پیر کے متعلق کلی طور پر عالم الغیب ہونے کا عقیدہ بنانا بھی فاسد عقیدہ ہوگا۔



اور اوجھل نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام چیزوں پر مطلع اور ان کا مشاہدہ کرنے والا اور ان کی تفصیلات جاننے والا ہے جیسا کہ (شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۹۵ میں لکھا ہوا ہے۔)

میرے بھائیو! ہمارا مشکل کشا وہ اللہ ہی ہے جو پوری دنیا کے ماضی و حال اور مستقبل کے انسانوں اور جانوروں کے بدنوں اور سروں کے تمام بالوں کو بھی ایک ایک کر کے جانتا ہے۔ پوری زمین کے تمام کیڑے مکوڑے اور پروانوں اور پرندوں کے متعلق بھی اسے خوب علم ہے۔ ان کے رات ٹھہرنے کی جگہوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ واہ سبحان اللہ کیا ہی شان ہے میرے مشکل کشا اللہ تعالیٰ کی اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ“

”تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔“

یاد رکھیں! مخلوق سے انسان جتنا ڈرتا ہے اتنا ہی اس سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ شیر سے ڈرتا ہے تو شیر سے دوری ہوتی ہے، سانپ سے ڈرتا ہے تو سانپ سے بھاگ کر دور چلا جاتا ہے، کسی جن یا انسان سے ڈرتا ہو تو اس سے دور بھاگ جاتا ہے، کوئی بھی سینگوں والا جانور سامنے سے بھاگتا ہو نظر آجائے تو اس سے بھاگ کر دور چلا جاتا ہے لیکن کیا ہی شان ہے رب کریم اور رحمن و رحیم کی اس کا ڈر بھی نرالا اور بے مثال ہے کہ بندہ جتنا بھی اس سے ڈرے گا اتنا ہی اس سے قریب ہوگا اور اسے اس کی محبت حاصل ہوگی اس کی رحمت کا مستحق ہوگا وہ اسے اپنے قریب کر لے گا، سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہی ہر شخص کے تمام اعمال سے واقف ہے اگر کوئی اور بھی ایسا ہوتا تو وہ اس کا شریک ہو سکتا تھا۔ اب اگر کوئی کسی بزرگ یا ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کا علم ہے تو لامحالہ ایسے شخص نے اس بزرگ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا لیا ہے جو کہ صریح شرک ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

صہیونی تنظیم کا چیلنج اور مسلم راہنماؤں کی ذمہ داری

عطا محمد جنجوعہ

رائیگاں نہیں جائے گا انھوں نے کہا کہ اسرائیل میں مزید شہر تعمیر کیے جائیں گے اور دنیا کے ہر ملک میں یہودیوں کی بستیاں تعمیر کی جائیں گی۔ اُن کی تعمیر و ترقی کے لیے فنڈز دیئے جائیں گے۔“

[نوائے وقت ۲۵ جنوری ۲۰۰۲ء]

ضرورت تو اس امر کی تھی کہ عرب حکمران صہیونی چیلنج کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے وارث بن کر میدانِ عمل میں نکل آتے کہ اچانک سعودی ولی عہد کی طرف امن معاہدہ کی تجویز منظرِ عام پر آ گئی کہ اسرائیلی فوج ۱۹۶۷ء سے پہلے کی پوزیشن پر واپس چلی جائے۔ جس کے عوض عرب ممالک اس سے تعلقات استوار کر لیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہود نے دنیا کی کسی قوم کے ساتھ امن کا معاہدہ کیا تو انھوں نے خود کو مضبوط کیا اور موقع پر فریقِ ثانی سے انسانی زندگی کا حق سلب کر لیا۔ دوم معاہدہ پر عمل درآمد کی گارنٹی اقوامِ متحدہ اور امریکا سے طلب کی گئی اُن کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اقوامِ متحدہ کے اہم اداروں پر یہودی مسلط ہیں اور امریکی حکومت کے فیصلے موساد کی ذیلی تنظیم اے پیک کرتی ہے۔ تو اُن سے انصاف کی توقع رکھنا کہاں کی دانش مندی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی فوج علاقہ میں گھس کر رسول آبادی کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ امریکا اسے جائز قرار دے رہا ہے۔ ٹی وی نیوز کانفرنس میں صدر بوش نے کہا:

طالبان کی جہادی قوت اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے یہودی خائف تھے۔ چنانچہ یہودیوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو لڑا کر پاک افغان ریاستوں پر تسلط جما کر صہیونی ورلڈ آرڈر کی راہ میں حائل رکاوٹ کو دور کر دیا۔ تو اسرائیل کے وزیر اعظم ایریل شیرون نے ملت اسلامیہ کی غیرت کو چیلنج کر دیا۔

”یہودی آج بھی اللہ کی پیاری مخلوق ہے اور اُس نے یہودیوں کو ہر نعمت سے نواز رکھا ہے اور آج یہودی دنیا میں پہلے کی طرح اپنے قدم بجا رہے ہیں۔ کیوں کہ یہودی ایک متحد قوم اور اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے ایک ہے لیکن آج مسلمانوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے اب وہ متحد نہیں ہو سکتے۔ اب بیت الاوّل (مسجد اقصیٰ) کو آزاد کرانا اُن کے بس میں نہیں وہ اپنے فروعی مسائل میں الجھے ہوئے اور عیاشی میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔ کیوں کہ اُن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ والا جذبہ نہیں رہا۔ اب مسلمان عیاشی کا سہل بن چکے ہیں جب تک یہ عیاشیوں میں رہیں گے ہمارے مفادات کا تحفظ خود بخود رہے گا۔“

ایرل شیرون نے کہا کہ ”فلسطینیوں کو اگر رہنا ہے تو ہمارے تابع ہونا پڑے گا ورنہ اُن کو سختی سے پکڑ دیا جائے گا۔ ہم اپنے شہریوں کو ہر لحاظ سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ فلسطینیوں کی دہشت گردی کو پکڑنا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔ ہمارے شہریوں کا خون

”اگر فلسطینی مذاکرات میں دلچسپی رکھتے ہیں تو پھر یا سرعرات کو دہشت گردی روکنے کے لیے سو فی صد کوشش کرنا چاہیے۔“ سعودی حکم ران شاہ عبداللہ نے امریکا میں اپنے سفیر کے ذریعے امریکی قیادت کو جوابی پیغام پہنچایا ”صدر بش کا یہ فیصلہ سو فی صد اسرائیل کے مفاد میں ہے اگرچہ یہ امریکا کا حق ہے مگر سعودی عرب کو امریکا کا فیصلہ قبول نہیں۔ ٹھیک ہے امریکا اپنا راستہ اختیار کرے اور ہم (سعودی عرب) اپنا راستہ اختیار کریں گے۔ اب سے ہم قومی مفاد کا تحفظ کریں گے اور اس چیز کی پروا نہ کریں گے کہ آیا اس علاقہ میں امریکا کا مفاد ہے یا نہیں۔“ [نوائے وقت ۱۹ مارچ ۲۰۰۲ء]

امریکا عراق کی رہی سہی فوجی قوت کو کچلنے کے لیے پرتول رہا ہے تاکہ مستقبل قریب میں اسرائیل کے لیے خطرہ کا باعث نہ رہے۔ امریکی مطالبہ پر اردن اور سعودی قیادت نے اُن کو کسی قسم کی مراعات دینے سے انکار کر دیا بلکہ حملہ کی صورت میں عراق کی حمایت کرنے کا عندیہ دیا ہے۔

عرب سربراہوں کے ولولہ انگیز بیان سن کر امید کی کرن پیدا ہوئی تھی لیکن بیروت میں ۲۷ مارچ کو ہونے والی عرب سربراہ کانفرنس میں اسرائیل سے امن کی بھیک کا اعلامیہ سن کر مایوسی کی لہر چھا گئی۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

جہاد سے روگردانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسرائیلی فوج نے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں بیٹھ کر فلسطینی اتھارٹی کے ہیڈ کوارٹر سمیت چار اہم شہروں کا گھیراؤ کر لیا۔ ۱۶ سال سے ۵۰ سال کی عمر تک کے فلسطینی مسلمانوں کو پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

اس دوران ملائیشیا میں او آئی سی کے زیر اہتمام وزرائے خارجہ کا اجلاس ہوا جس میں عراق کی طرف سے اسرائیل کی حمایت کرنے والے مغربی ممالک کے خلاف تیل کی سپلائی بند کرنے کی قرارداد کیسے منظور ہو سکتی تھی وہ تو دہشت گردی کی تعریف کرنے پر اتفاق رائے نہ کر سکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم سربراہان خصوصاً عرب ریاستوں کے امراء امت مسلمہ کی یک جہتی و سلامتی کی خاطر اپنے میں سے کسی ایک کی بیعت کر کے اُسے خلیفہ تسلیم کریں۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بجائے صیہونی تنظیم اور اس کے گماشتوں کے خلاف جہاد کا اعلامیہ جاری کریں۔

سعودی عرب کے بارے پر پوچھ گچھ

روئے زمین پر سعودی عرب ایسا ملک ہے جہاں اسلامی قانون کی بالادستی ہے۔ جہاں سے دنیا بھر میں دعوت و تبلیغ کا کام سرکاری سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں قرآن کریم تقسیم ہو رہے ہیں۔ ہر ملک کے صدر مقام پر عالی شان مساجد بنوائی گئی ہیں۔ سعودی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں علماء دنیا کے ہر کونے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب جدیدیت کے حیوانی ماحول سے تنگ آ کر اسلام کے روحانی ماحول میں داخل ہو کر سکون قلب کی دولت حاصل کر رہے ہیں۔ جن کی تعداد میں ہر سال پہلی کی نسبت سے اضافہ ہوتا گیا۔ تو یہودیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ مستقبل قریب میں مغربی ممالک میں مسلمان اکثریت حاصل کر لیں گے اور اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے کے امکان پیدا ہو جائیں گے۔ تو انھوں نے سعودی عرب کے بارے پر پوچھ گچھ شروع کر دیا۔ جوزف پی اے گوبلز یہودی النسل جو پوچھ گچھ کے شعبہ کا گرو تسلیم کیا جاتا ہے، کے چیلوں نے دروغ گوئی، جہالت اور تعصب کے مشن کو جاری رکھا ہوا ہے۔

امریکی رسالہ نیوز ویک کے دسمبر ۲۰۰۱ء اور فروری ۲۰۰۲ء کے خصوصی شمارہ میں ہن ٹنگٹن کا ”مسلم جنگوں کا زمانہ“ اور فیکو یاما کے مضمون ”اُن کا ہدف دنیا کے جدید“ کو نمایاں طور پر شائع کیا گیا ہے۔ ان میں جو بحث درج ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کے موضوع پر ہے جس کا مدعا عوام الناس کے ذہنوں میں یہ خیال

بٹھانا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اسلام اور اس کے پیروکاروں کے خلاف جنگ کے طور پر لڑنا ہوگا۔

فیوکیاما کے مضمون کا اقتباس پڑھ کر آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں:

”اسلامی دنیا نے کثیر تعداد آبادیوں کو قبائلی یا روایتی طرز زندگی سے اکھڑتے دیکھا ہے۔ بیشتر افرا دشری اطوار اختیار کر چکے ہیں اور اسلام کی غیر مرئی علمی روح کا سامنا کر رہے ہیں۔ جو انھیں مذہب کے ایک زیادہ شفاف اور سچے طریقے کی جانب بلاتی ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے جرمن قوم پرستی کے ازمنہ قدیم سے مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اسلام کی اس نئی انتہا پسند قسم میں بے انتہا کشش ہے۔ کیوں کہ اس سے موجودہ جدید معاشرتی توڑ پھوڑ اور اخلاقی اقدار کے ضیاع کا سراغ ملتا ہے۔ گویا زیادہ صاف الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ کشمکش صرف دہشت گردی کے خلاف جنگ ہی نہیں بلکہ اسلامی فاشزم کے خلاف ہے۔ یعنی جدیدیت کا مخالف وہ انتہا پسند تنگ نظری پر مبنی نظریہ جو اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں آج کل جنم لے رہا ہے۔“

فیوکیاما اپنی تراشیدہ اصطلاح میں اور زیادہ چنگاریاں بھرنے کے لیے کہتا ہے:

”اسلامی فاشزم کے ابھرنے کا الزام سعودی عرب پر دھرا جانا چاہیے وہاں نظریہ صاف صاف اسلامی فاشزم ہے۔“

[بحوالہ خیر البشر مارچ ۲۰۰۲ء]

یہودی میڈیا سعودی عرب کے خلاف نفرت کے جذبات ابھار رہا ہے جس سے متاثر ہو کر امریکا نے سعودی حکومت سے مطالبہ کر دیا کہ وہ سعودی یونیورسٹیوں کا نصاب تعلیم تبدیل کرے۔ اس کے جواب میں ”فیڈریشن آف اسلامک یونیورسٹیز کی ایگزیکٹو کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر عبداللہ جذبی نے دہشت گردی کے ساتھ

اسلام کا تعلق جوڑنے کے ٹرینڈ کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ کونسل امریکی مطالبہ پر اسلامی تعلیمی اداروں کے نصاب میں تبدیلی کے معاملے کو زیر غور نہیں لائے گی۔ اسلامی ایجوکیشنل سائنٹیفک اینڈ کلچرل آرگنائزیشن کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر عبدالعزیز نے اسلامی یونیورسٹیوں کے خلاف مغربی میڈیا کی مہم کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسلام کے دشمنوں کی مذموم مہم کا حصہ ہے۔“

[روزنامہ اسلام، مارچ ۲۰۰۲ء]

سعودی حکومت کا دو ٹوک جواب پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک کے لیے مشعل راہ ہے۔ افغانستان پر امریکی حملہ کے دوران سعودی عرب نے غیر جانبدار رویہ اپنانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ صہیونی میڈیا عالم اسلام میں سعودی عرب کے بارے مذہبی منافرت پھیلا رہا ہے اور امریکی حکومت کو مقدس مقامات پر ایٹم بم پھینکنے کے مشورے دے رہا ہے۔ اس خدشہ کی غمازی کرتے ہیں کہ یہودی اپنے صہیونی سلطنت کے نقشہ کی تکمیل کے لیے آخری راؤنڈ سے پہلے فضا سازگار کر رہے ہیں۔ اگر تمام عرب ریاستیں متحد ہو کر لائحہ عمل اختیار نہیں کرتیں تو سعودی عرب کو صہیونی ہٹ دھرمی کے خلاف شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی طرح جرأت مندانہ موقف اپنانے کی ضرورت ہے۔

جب امریکی صدر ہیری ٹرومین نے سعودی عرب کے شاہ عبدالعزیز کو خط لکھا کہ ”آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے عرب قوم کو اپنے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مصالحت پر آمادہ کر لیں“ تو شاہ عبدالعزیز نے جواباً کہا:

”تیل کے کنوئیں ہمارے لیے اہم نہیں بلکہ ہمارے لیے اسلام اور ارض مقدس اہم ہے جس کے لیے میں اپنے بیٹوں سمیت آخری قطرہ خون تک لڑنے کے لیے تیار ہوں۔“

شاہ فیصل بن عبدالعزیز کی تقریر کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو انھوں نے آج سے ۲۳ سال قبل حج کے موقع پر دنیا بھر کے حجاج کرام سے مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔

پیارے بھائیو! یروشلم کا مقدس شہر (بیت المقدس) آپ کو پکارتا ہے کہ آپ اس کو بے حرمتی سے بچائیں، اپنے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کب تک برداشت کریں گے۔ کیا ہم لڑنے سے ڈرتے ہیں؟ کیا اس سے کوئی بہتر موت ہے کہ ہم اللہ کی خاطر جہاد میں جان دے دیں؟ پیارے برادران اسلام! ہم ایک خالص اسلامی جہاد چاہتے ہیں جو قومی یا نسلی بنیاد پر نہ ہو کیوں کہ اس جہاد کا مقصد ہمارے عقیدہ، مذہب اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کرنا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے ایسے مقدس جہاد میں ایک شہید کی موت مرنے کی التجا کرتا ہوں۔“

[المغرب جلد: ۱۴، شمارہ: ۱۰]

احتجاج کے باوجود اہل مغرب نے اسرائیل کو نواز پالیسی ترک نہ کی تو شاہ فیصل نے اسرائیل کی مدد کرنے والے ممالک کو تیل سپلائی بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس سے امریکا کے مفاد پر کاری ضرب لگی۔

شاہ فیصل مرحوم نے باپ کے تاریخی الفاظ کو اپنے خون کی سیاہی سے تحریر کر کے اپنے جانشین بھائیوں کے لیے عملی نمونہ پیش کر دیا۔

اس سے پہلے کہ صہیونی غنڈے مرکز اسلام کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کریں سعودی فرمان رواؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اولیٰ العزم باپ کی تاریخی وصیت کو دل کے آئینہ میں سمائیں اور اپنے شہید فیصل بھائی کے نقش قدم پر چل کر مسجد اقصیٰ کے تقدس کی بحالی کے لیے اسرائیل کے خلاف دعوت و جہاد کا پرچم بلند کریں۔ اور تن آسانی کی پالیسی ترک کریں۔ ابتدائی طور پر سعودی حکومت خلیجی علاقہ میں موجود یہود و نصاریٰ کی فوج کو دعوت اسلام دے۔ بصورت دیگر ان کے انخلا کا حکم جاری کرے اور پہلے سے دی ہوئی مراعات ضبط کر لے۔ حکم عدولی کی صورت میں جو کچھ اسلحہ سے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے ان کے خلاف سینہ سپر ہو کر میدان بدر کی یاد تازہ کریں۔

مسجد نبوی کا امام اسلامی لشکر کی پہلی صف میں خیمہ زن ہو کر رب کے دربار میں رات کے آخری پہر دعا کرے۔

یا اللہ! تو قدر ہے، ہم کمزوروں کو قدرت عنایت کر، تو ناصر

ہے ہمیں نبی نصرت عطا کر جس طرح تو نے ابابیلوں کی چونچ میں پتھروں کو دی تھی۔ جنھوں نے ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کو بھوسہ کی مانند کر دیا۔ تو آج بھی مجاہدین کی بندوٹوں سے نکلتی ہوئی گولیوں میں وہی قوت عطا فرما کہ صہیونی بحری بیڑے سمندر میں غرق ہو جائیں۔

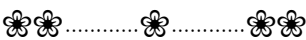
صہیونیت کے خلاف اُس وقت تک جہاد جاری رکھا جائے جب تک اہل مغرب کی ظلمت اور حرمین شریفین کے میناری الہدیٰ میں حائل آتش فشاں پہاڑی کے شعلے بحر احمر کی نذر نہ ہو جائیں۔

اگر دنیا بھر کے مسلمان کیمونسٹوں کے خلاف افغان جہاد میں شامل ہو سکتے ہیں تو حرمین شریفین کے تقدس کی بحالی کے لیے ضرور لبیک لبیک کہہ کر حاضر ہوں گے۔ بشرطیکہ سعودی حکومت کی طرف سے جہاد کا اعلان ہو۔ خدا نخواستہ اتنی جرأت نہیں تو غزوہ خندق کی سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے تیل کے چشموں کو آگ لگا دو تو..... سامراج مکار لومڑی کی طرح دم دبا کر بھاگ جائے گا۔

چنانچہ عالم عربی عزم و استقلال کے پیکر بن کر صہیونی قوت کے خلاف جرأت مندانہ موقف اختیار کر کے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں ورنہ اُن کی اپنی سلامتی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔

خاندان بنو امیہ کے دور میں سلطنت اسلامیہ کو جتنی وسعت ملی اس کے بعد تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ لیکن اس دور میں نو مسلموں کے تزکیہ کی طرف بھرپور توجہ نہ دی گئی۔ جب کہ خاندان بنو عباسیہ کے دور میں علوم و فنون کی ترویج و تحقیق سرکاری سرپرستی میں اس قدر ہوئی کہ اس دور کے مسلم سکالر یورپ کے لیے روشنی کا مینار بن گئے لیکن جہاد کی طرف کما حقہ توجہ نہ دی گئی۔ قدرت کی طرف سے تاری عذاب بن کر نمودار ہوئے بعد ازاں ان کی اولاد اسلام کی محافظ ثابت ہوئی جنھوں نے برصغیر میں اسلامی حکومت کو مستحکم کیا۔

اسلام ہمیشہ سے زندہ و تابندہ ہے اور رہے گا۔ اسلام کی عظمت و شوکت کسی خاندان کی محتاج نہیں بلکہ مسلم خاندان کے عروج کا راز دعوت و جہاد میں مضمر ہے۔



پہربہار آئی

اور یا مقبول جان

آج کل مقتدر حلقوں پر بہار آئی بلکہ چھائی ہوئی ہے۔ حکمران ذرائع ابلاغ اور قومی دولت کی دھن دھولش سے خزاں نصیب عوام کو بہار کی نوید سنار ہے اور سراب دکھا رہے ہیں جب کہ عوام کہتے ہیں کہ نہ جانے کب چمن مہکا، نہ جانے کب بہار آئی بہار آئی تو کب آئی، خزاں چھائی تو کب چھائی ہر عروج راز وال اور ہر بہار راز خزاں کا اصول فطرتی ہے۔ روزنامہ ”ایکسپریس“ میں جناب اور یا مقبول جان کا ایک کالم نظر سے گزرا، اچھا لگا اور معلومات میں اضافہ ہوا۔ دل چاہا کہ یہ علمی اضافہ قارئین تک بھی پہنچا دیا جائے۔ (الاعتصام)

دوڑ میں حصہ لینے والے مخصوص سوار جو اپنے علاقے، خاندان اور قبیلہ کی عزت و آبرو تصور کرتے تھے۔

کھیلوں کے بارے میں اکثر سینٹ میں بحث ہوتی اور آخر یہ سب گفتگو اس بات پر ختم ہو جاتی کہ اگر ان کھیلوں کا انعقاد نہ کیا گیا تو پورے روم شہر کی معیشت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کتنے گھرانے ہیں جو بھوک سے مرجائیں گے۔ ان کھیلوں کا ایک مقبول ترین فرد پائی لیدز تھا۔ اسے اپنے فن پر اس قدر غرور تھا کہ اُس نے ایک بادشاہ آکٹس سیزر سے کہہ دیا کہ آپ کی مقبولیت کا سارا دار و مدار اس پر ہے کہ میں کس طرح لوگوں کو ہنساتا اور محظوظ کرتا ہوں۔ یوں روم جو کبھی دنیا کی طاقت و در ترین مملکت تصور ہوتا تھا اب اس کے عوام کی دود لچسپیاں رہ گئی تھیں: ایک سرکس اور دوسری روٹی۔

سارا روم دو طبقوں میں تقسیم تھا۔ ایک وہ لوگ جو ہماری طرح بڑی بڑی رہائشی کالونیوں میں، محلات میں رہتے تھے اور جن کے گھروں میں آئے دن مرغن کھانے پکتے اور احباب کی بڑی بڑی دعوتیں ہوتیں۔ ان لوگوں کے مشاغل میں ڈانس کرنے والی خواتین کی حوصلہ افزائی، بے شمار غیر زوجی تعلقات اور ان کھیلوں میں شامل

نیل کے ساحلوں سے بہترین ریت کے بھرے ہوئے جہاز روم کے دار الحکومت منگوائے جاتے اور انھیں اُس بہت بڑے سٹیڈیم میں بچھا دیا جاتا جس کے ارد گرد بلند و بالا سیڑھیوں پر لاکھوں لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ یہ سٹیڈیم آج بھی آدھی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں کے ساتھ ایک یادگار کے طور پر محفوظ ہے جسے عرف عام میں کولیسیم (Collasium) کہتے ہیں۔ بہار کی آمد سے پہلے جشن بہاراں کا اس شدت سے اہتمام کیا جاتا کہ دوسرے شہروں سے جوق در جوق لوگ یہاں آتے اور پورا سال ان کھیل تماشاؤں کا انتظار کرتے۔ سٹیڈیم میں تین لاکھ پچاس ہزار افراد کی گنجائش موجود تھی۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ اور اشرافیہ کو یہاں جگہ ملتی اور کچھ عوام بھی یہاں پر ہونے والے کھیل تماشاؤں سے لطف اندوز ہوتے جب کہ باقی لوگ شہر میں پر رونق چوراہوں پر لگے طرح طرح کے رنگ برنگے فواروں اور آتش بازی کا لطف اٹھاتے۔ فواروں میں خوشبودار پانی اور طرح طرح کے رنگ ڈالے جاتے تاکہ وہ ایک دلکش نظارہ پیش کر سکیں۔ ان تمام تقریبات کے ساتھ کروڑوں لوگ وابستہ تھے۔ گھوڑوں کو سدھانے والے، بگھیوں کو آراستہ کرنے والے، پھر ان بگھیوں کی

ہونے والے شہسواروں، تلوار بازوں اور تیر اندازوں پر شرطیں لگانا شامل تھا۔ جب کہ دوسری جانب روم کا عام کسان نانِ شبنہ کا محتاج تھا۔ لوگوں کے پاس مدتوں نئے کپڑے بنانے کے لیے بھی پیسے نہ ہوتے، غلہ چوں کہ روم میں بہت کم ہوتا اس لیے انہیں مفتوحہ علاقوں سے غلے کی ترسیل کا انتظار کرنا پڑتا۔ مشہور بادشاہ سیزر کے زمانے کی ایک بحث تاریخ کا حصہ ہے جب ٹرائیون یعنی وزیر اعظم کو مصر سے پیغام آیا کہ نیل کے ساحل پر جہاز تیار ہیں۔ ان پر غلے لادیں یا ریت تو ٹرائیون نے کہا تمہیں معلوم نہیں ہمارے بادشاہ کے شوق کیا ہیں اور دار الحکومت کے شرفاء بہار کا کس شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ فوراً بہترین باریک ریت جہازوں پر لدوا کر بھیج دو۔ فن اور موسیقی کا دلدادہ یہ وہی سیزر تھا جس نے پورے روم شہر کو آگ لگا دی تھی اور باہر بیٹھا بانسری بجا رہا تھا۔

لیکن ان تمام کھیلوں میں سب سے پسندیدہ کھیل جس کے ارد گرد یہ تمام بہار کا جشن گھومتا تھا اُسے گلیڈیٹرز کی لڑائی کہا جاتا تھا۔ ہزاروں لوگ اس کھیل سے وابستہ تھے۔ جنگی قیدیوں، غلاموں یا پھر اغوا کیے گئے افراد کو خاص نگرانی میں پالا جاتا۔ انہیں مخصوص ورزش کروائی جاتی، ان کے جسم کو مضبوط بنانے کے لیے طرح طرح کی خوراکیں دی جاتیں اور پھر بہار کے جشن سے پہلے ان کے خوبصورت مضبوط اور جاذب نظر جسم کی پورے شہر میں نمائش ہوتی۔ روم والے بھی اور باہر سے آئے ہوئے لوگ بھی اس سے لطف اندوز ہوتے۔ اُس کے بعد جب تین لاکھ پچاس ہزار افراد سے بھرا اسٹیڈیم تماشیوں سے بھرا ہوتا تو گلیڈیٹرز کو نرم ریت پر پیچوں بیچ کھڑا کر دیا جاتا۔ پنجرہ کھلتا اور دونوں کا فاقہ زدہ شیر، چیتا یا بھیڑیا اس پر چھوڑ دیا جاتا۔ بقا کی جنگ شروع ہوتی اور لوگوں کی تالیاں، ڈھول کی تھاپ، رقص سب اپنے عروج پر پہنچتا اور آخر میں شیر یا چیتا میٹھا اپنے شکار کا گوشت کھا رہا ہوتا۔

روم میں آج بھی کھیل ہوتے ہیں لیکن وہاں کوئی سیزر نہیں اس لیے پورے روم میں آج گلیڈیٹرز کا نام نہیں لیا جاسکتا۔ آج اس

خونیں کھیل کا تصور نہیں ہو سکتا لیکن ہم بھی عجیب ہیں۔ اگرچہ ہم بھی غلے کے جہازوں کی طرح ریت کے جہاز لا کر جشن بہاراں منانے کے قائل ہیں لیکن ہم آج بھی اُسی طرح بحث کر رہے ہیں دلائل دے رہے ہیں کہ سارا جشن بہاراں تو پتنگوں کے گرد گھومتا تھا۔ ہر سال ہم نے معصوم بچوں کے لاشے اٹھائے، جوان لوگوں کی میتوں پر ماؤں کو بین کرتے دیکھا، گھروں کے واحد سہاراں کو منوں مٹی تلے اتارا، وہ کہ جن کی آرزوئیں خاک ہو رہی تھیں ان کے کانوں میں ویسے ہی ڈھول کی تھاپ رقص و موسیقی اور خوشی سے بلند ہوتی آوازیں آتی رہیں۔ مگر ہم آج بھی دو ہزار سال پہلے کے روم کی طرح بحث کرتے ہیں کہ اگر یہ پتنگ بازی نہ ہو تو پاکستان دنیا کے نقشے پر امن پسند ملک نہیں کہلا سکتا، لاکھوں لوگوں کا روزگار اس سے وابستہ ہے، زیرِ مبادلہ آتا ہے۔ لیکن کوئی سوال تک نہیں کرتا کہ اس

ارہوں کے زیرِ مبادلہ کے بدلے میں کوئی اپنے بیٹے کی گردن اُس ڈور

کے سامنے رکھ سکتا ہے جو سمنیل کی رفتار سے آئے اور چیرتی ہوئی نکل

جائے۔ ہمیں شاید آج کے مہذب دور میں بھی گلیڈیٹر کے مرنے پر

رقص کرنا اچھا لگتا ہے۔ خواہ وہ صرف دودن کے لیے کیوں نہ ہو۔

لیکن شاید لوگ سیزر کے انجام سے واقف نہیں۔

روم کے بھوکوں کو جب جشن بہاراں تسلی نہ دے سکا اور بھوک

پر کوئی رقص غالب نہ آ سکا تو پھر حالت یہ تھی کہ شہر پر یہ بھوکے ننگے

غالب تھے اور بادشاہ بھاگ نکلا تھا۔ ایک دوست کے گھر میں چھپا

تھا۔ لوگوں کی آوازیں باہر سنائی دے رہی تھیں۔ نیرو کی قبر کھودی

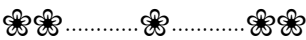
گئی۔ اُس نے حکم دیا کہ میرے غلام بھی ساتھ مارے جائیں سب

نے انکار کیا۔ کوئی اُس کے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا

تھا۔ تو اُسے خنجر پکڑایا گیا۔ اب اپنے آپ کو خود ختم کرو اور موت کا

تماشا اپنے ہاتھوں سے دیکھو۔ لوگوں کی موت کا تماشا دیکھنے والے

خود اپنا تماشا بنا کرتے ہیں۔ [روزنامہ ایکسپریس، ۱۹ فروری ۲۰۰۷ء]



تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

زیر تبصرہ کتاب کا موضوع اس کے عنوان سے ظاہر ہے۔ اس کو جناب مولانا محمد ارشد کمال نے بڑی محنت و کوشش سے مرتب فرمایا ہے۔ معروف عالم دین مولانا عبداللہ جابر دہلوی صاحب نے عذابِ قبر کی وضاحت اور منکرین عذابِ قبر کے لیے دلائل کا بہترین مواد شامل فرمایا ہے۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قبر کے متعلق معلومات، عذابِ قبر کا عقیدہ، عالم برزخ کی پہچان اور قرآن و حدیث سے عذابِ قبر کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔

دوسرے باب میں عذابِ قبر کا رد کرنے والوں کے اعتراضات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم سے بذریعہ آیات ان اعتراضات کا رد اور وضاحت کر کے مسئلے کی تشریح عام فہم انداز میں سمجھائی گئی ہے۔ باب سوم میں احادیث مبارکہ سے منکرین عذابِ قبر کا رد شامل ہے۔ باب چہارم میں منکرین عذابِ قبر کی بناوٹی اور بے بنی باتوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخری باب پنجم میں معروف علمائے کرام کی آراء و فتاویٰ کی روشنی میں عذابِ قبر کی وضاحت کا تفصیلاً تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایک بات یاد رہے کہ مؤلف نے بذریعہ خطوط علمائے کرام سے جواب طلب کر کے شامل اشاعت کیے ہیں، اور مؤلف نے یہ بھی درج کر دیا ہے کہ ان علماء کی آراء سے متفق ہونا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتا۔ بہر حال کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اچھی کوشش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مؤلف، ناشر اور ان علمائے کرام کو جزائے خیر سے نوازے جو اشاعت دین میں دن رات لگن ہیں اور عامۃ الناس کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

❀.....❀.....❀

عذابِ قبر

تالیف: محمد ارشد کمال

ضخامت: ۲۲۱ صفحات

قیمت: درج نہیں

خصوصیت: مضبوط جلد، اچھا کاغذ، طباعت و کمپوزنگ بہترین

ناشر: مکتبہ اسلامیہ، بالمقابل رحمن مارکیٹ غزنی سٹریٹ لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

موت ہر جان دار کا مقدر ہے۔ کوئی مانے نہ مانے مگر موت کا پنجہ ایک دن ہر کس و ناکس کو پڑنا ہے۔ اس جہان ناپائیدار میں عقیدے کے اعتبار سے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک ہر کسی نے موت کا جام پینا ہے اور اب تک بڑے بڑے جلیل القدر انسان، بڑے بڑے صلحا و تقیاء حتیٰ کہ بڑے بڑے سرکش و نافرمان بھی اس جامِ موت سے بچ نہ پائے۔ جس طرح موت برحق ہے۔ اسی طرح انسان کے اعمال کے مطابق عذابِ قبر بھی برحق ہے۔ یہ بات سوائے اللہ کریم کے کوئی نہیں جانتا کہ کس کے لیے کس طرح کا عذاب ہے۔ اللہ کریم نے اپنے کلام مبارک اور شارع علیہ السلام نے اپنے فرامین کے ذریعے عذابِ قبر سے مطلع فرمادیا ہے۔ مگر کئی سعید و رحیں اور پاک باز ہستیاں ایسی بھی ہوں گی جو اس گھاٹی (قبر) میں آرام و سکون سے پڑی ہوں گی اور ان کے اعمال صالحان کے لیے عذابِ قبر کو ڈھال کی طرح روکے رکھیں گے اور فیصلے کے دن اللہ کریم انھیں اپنی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (اللهم اجعلنا منہم)

اطلاعات واعلانات

قرآن وسنت کانفرنس

مرکزی جامع مسجد نور اہل حدیث، نور کالونی ونڈالہ روڈ
شاہدرہ، لاہور کی سالانہ قرآن وسنت کانفرنس ۳ مارچ ۲۰۰۷ء بروز
ہفتہ بعد نماز عشاء منعقد ہوگی۔

قاری محمد یعقوب فیصل آبادی، حافظ عبدالباسط شیخوپوری، رانا
شفیق خان پسروری ودیگر علمائے کرام خطاب کریں گے۔
[پیر مشتاق احمد گل، ناظم مرکزی جمعیت ونڈالہ شاہدرہ، لاہور]

سیرت النبی کانفرنس برائے خواتین

مدرسہ بنات الاسلام، امانت کالونی، رحیم یار خان میں سالانہ
سیرت کانفرنس برائے خواتین ۴ مارچ ۲۰۰۷ء بروز اتوار منعقد ہو رہی
ہے۔ ملک بھر سے خواتین مبلغات خطاب فرمائیں گی۔ ان شاء اللہ
پہلی نشست: ۹ بجے صبح تا ایک بجے (ڈیڑھ بجے کھانے کا

وقفہ) دوسری نشست: ۲ بجے تا ۵ بجے شام

اہل علاقہ کی خواتین، طالبات سے شرکت کی استدعا ہے۔

[ناظمہ مدرسہ ہذا: فون: 068-5884197]

دعائے مغفرت

مولانا محمد سلیم فتح پوری کی اہلیہ محترمہ ۱۳ فروری ۲۰۰۷ء کو
وفات پاگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اہل وعیال کو
اللہ کریم صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

[حافظ شفیق الرحمن سلفی، لیہ]

اگر کہیں ضرورت ہو

ایک قاری صاحب فارغ ہیں جو بہترین خطیب اور حفظ
وناظرہ میں پندرہ سالہ تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ ضلع قصور، اوکاڑا اور
لاہور میں اگر کہیں ضرورت ہو تو فوراً رابطہ کریں۔

[رابطہ: 0301-4841622]

دعائے مغفرت

ممتاز عالم دین قاری عبدالستین اصغر صاحب کے سر محترم محمد
بشیر صاحب ۲۲ فروری ۲۰۰۷ء کو وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون
جنارہ جامع مسجد توحید اہل حدیث چوک تاجپورہ میں حافظ محمد
طیب بھٹوی صاحب نے پڑھایا۔ کثیر احباب جماعت اور اہل علاقہ
نے شرکت فرمائی۔ احباب مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔
[ابوالاحشام حمزہ طور، ناظم نشر و اشاعت جمعیت اہل حدیث، پنجاب]

دعائے مغفرت

ہماری جماعت کے ایک بزرگ حاجی محمد اکبر انصاری ۱۳۱ برس
عمر پا کر ۱۶ فروری بروز جمعہ المبارک جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ انا
للہ وانا الیہ راجعون

وفات سے دو سال قبل تک مسجد میں جا کر کھڑے ہو کر نماز
باجماعت ادا کرتے رہے۔ پھر اچانک گھر میں گر کر چوٹ لگنے کی وجہ
سے صاحب فراش رہے۔ قارئین الاعتصام ان کے لیے دعائے
مغفرت فرمائیں۔

[غلام حسین تہاڑیا، تلوڈی ضلع قصور]

اعلان

استاذ القراء عنایت اللہ ربانی کاشمیری بطور صدر مدرس شعبہ تجوید و قراءت جامع مسجد مکرم اہل حدیث و جامعہ اسلامیہ سلفیہ ماڈل ٹاؤن گوجران والا میں خدمات سرانجام دیں گے۔
رابطہ نمبر 0300-6937340 ہے۔
[محمد حسن سلفی صاحب، تلمیذ رشید کاشمیری]

انتقال پر ملال

ڈاکٹر محمد سلیم فارانی مرحوم (سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور) کی بیوہ گزشتہ دنوں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
مرحومہ طارق فارانی (گورنمنٹ کالج، لاہور) راشد فارانی (ڈائریکٹر حکومت پاکستان) زاہد فارانی (منیجر اوجی ڈی سی) اور جابر فارانی (متولی مسجد علی المرتضیٰ چودھری کالونی سمن آباد، لاہور) کی

والدہ محترمہ تھیں۔ کچھ عرصے سے علیل چلی آ رہی تھیں۔ بڑی نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ جملہ احباب سے مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ نماز جنازہ پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان صاحب نے جامع القادسیہ لاہور میں پڑھائی۔ سینکڑوں احباب نے شرکت فرمائی۔ اللھم اغفر لہا وارحمہا وعافہ واعف عنہا [پسماندگان]

14 ویں سالانہ دعوت اہل حدیث کانفرنس

بمقام: مرکزی جامع مسجد طیبہ اہل حدیث چک 7/8A-R کرلی والا میاں چنوں، ضلع خانیوال۔
بتاریخ: 17 اپریل 2007ء بروز ہفتہ، بعد نماز عشاء۔
زیر صدارت: ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمۃ اللہ علیہ، اسلام آباد کانفرنس سے جدید علمائے کرام خطاب فرمائیں گے۔
[عبدالوکیل فہیم بن حافظ عبدالستار]

ضرورتِ رشتہ

①..... بیٹا، عمر تقریباً ۲۱ برس، تعلیم ایف اے، جزوی دینی تعلیم، برسر روزگار ہے، کے لیے خاندانی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ مسلک اہل حدیث ہونا شرط ہے۔
②..... بیٹی، عمر تقریباً ۱۸ برس، تعلیم میٹرک، دینی تعلیم کی طالبہ، کے لیے ہم پلہ برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ مسلک اہل حدیث سے وابستہ افراد سے لڑکے والے رابطہ کریں۔

رابطہ

0345-4209248 / 0333-4467532

ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور

نرخ نامہ اشتہارات فی اشاعت

- ①..... آخری صفحہ ٹائٹل 2400 روپے
- ②..... اندرون صفحہ ٹائٹل 1800 روپے
- ③..... فل صفحہ نیوز 1400 روپے
- ④..... نصف صفحہ نیوز 750 روپے
- ⑤..... چوتھائی صفحہ نیوز 400 روپے
- ⑥..... عام چھوٹے اشتہارات 300 روپے

❦..... ”الاعتصام“ میں اشتہار لگوائیں اور اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

❦..... اشتہار خوش خط، مختصر اور معاوضہ بہراہ ارسال کریں۔

❦..... مسلسل اشاعت (کم از کم 6 ماہ) 20 فی صد خصوصی رعایت۔

❦..... ”الاعتصام“ سے تعاون آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

رابطہ کے لیے

دفتر ہفت روزہ الاعتصام ۳۱ شیش محل روڈ، لاہور، فون: ۰۳۲-۷۳۵۴۴۰۶

نعتیہ رباعیات

(۱)

پیغام رساں تھے سب پیمبر رب کے مستغنی مدحت ہے وہ ممدوح خدا
پیغام بھی ساروں کے تھے ملتے جلتے حق اس کی ثنا کا ہو کسی سے نہ ادا
إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوبَ لَا تُطْرُقُونِي وہ جانِ جہاں بھی ہے جہانِ جاں بھی
سمجھو نہ مجھے برتر و بالا ان سے! سرتاپا اخلاص ، ہمہ صدق و صفا!

(۳)

خاک کف پا کھلِ جواہر جس کی ”روتا ہے اگر کوئی تو رو لینے دو
ہر راہ و روش ظاہر و باہر جس کی إِنَّ الْعَيْنَ دَائِمَةٌ يَأْغُمُّهَا
ہر قول و عمل جس کا کمالِ تقویٰ فطری جذبات کو دبانا مشکل
ہر خصلت و خوطیب و طاہر جس کی! بیجا بندش سے جس دم پیدا ہوا“

(۵)

ہے طبع مری مخمّر حمد و سلام
مجھ پر ہے یہ خاص فیضِ اجدادِ کرام
رہتی ہے زباں مری مطیب خالدا
حمداً للہ ، ذکرِ طیب سے مدام!